فائد العمروسی

اہلِ بیت

مترجم:

مولانا سعید الرحمن علوی

بساطِ ادب : ادبی مارکیٹ، لاہور ۲

بار اول ———— ۱۹۹۰

ناشر ———— چوہدری ثناءاللہ بھٹہ

طابع ———— گنج شکر پرنٹرز لاہور

قیمت ———— مجلد -/۱۵۵ روپے
عام -/۹۵ "

کتابت ———— ادارہ کتابت حضرت کیلیانوالہ

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

کچھ ناشر کی طرف سے

امسال (۱۹۸۹ء) حج بیت اللہ کی سعادت سے مشرف ہونے کا موقعہ ملا۔ الحمدللہ۔ ۴۵ دن کے قیام مکۃ معظمہ و مدینہ منورہ میں جو روح پرور نظارے دیکھنے نصیب ہوئے۔ اُن کی لذّت و حلاوت ایک طویل عرصہ تک ذہن و روح کے لیے مسرّت و شادمانی کا باعث رہے گی۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

جب حج کے لیے درخواست گذاری تو کتب ہائے حج کا مطالعہ اور پہلے ہی حج سے مُشرف ہونے والے احباب سے ذخیرۂ معلومات جمع کر لیا۔ پھر گروپ لیڈر کی حیثیّت سے مزید معلومات بھی میسّر ہوئیں۔ حج کی تیاریوں سے لے کر بیت المکرّم میں داخل ہونے تک ایک تمنّا مچلتی رہی کہ حدیثِ نبوی کے مصداق:

"اللہ کے گھر پر پہلی نظر پڑتے پر جو دُعا کی جائے وہ ضرور قبول ہوتی ہے"

مسجد الحرام میں داخلہ پر ہوش و حواس سلامت رہیں تاکہ یہ دُعا کر سکوں کہ:

"اے اللہ میں بہت گنہگار ہوں لیکن تیری رحمتوں، برکتوں سے مایوس نہیں۔ لہٰذا یہ دُعا قبول فرما کہ بقایا زندگی میں جو دُعا کروں وہ تو اپنے فضل و کرم سے قبول فرما"

واقف کاروں نے بہت ڈرایا کہ حرم میں داخل ہوتے وقت اس گھر کے

رُعب سے ہی انسان سب کچھ بھول جاتا ہے۔ وہاں تو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ "میں کیا ہوں"۔ بہر حال دل پر جبر کیا، اور اپنی تمام قوتِ ارادی کو بروئے کار لا کر تہیّہ کیا کہ اپنے حواس قائم رکھتے ہوئے اس دعا کی ادائیگی کا مرحلہ پورا کروں گا۔ میں اپنے مولا کریم کا جس قدر بھی شکر ادا کروں ناکافی ہوگا کہ اس کی رحمتوں کے صدقے یہ دُعا کرنے میں کامیابی نصیب ہوئی۔

قیامِ سعودی عرب میں دیکھا کہ زائرینِ حج کی بہت بڑی تعداد عبادت و ریاضت پر خرید و فروخت کو ترجیح دیتی ہے۔ دنیا جہاں کی ہر نعمت اور ہر شئے جب آسانی سے یکجا دستیاب ہو تو پھر دل کیوں نہ مچل جائے۔ شوق اپنا اپنا، ذوق اپنا اپنا کے مصداق اپنا کیونکہ کتب بینی اور اشاعتِ کتب کی طرف رجحان تھا۔ اس لیے اگر کبھی نماز و طوافِ کعبہ سے تھوڑا سا وقت مل جاتا تو مکہ و مدینہ کے کتب فروشوں کی الماریوں کی چھان پھٹک میں صرف ہوتا۔ میری خواہش تھی کہ دیارِ عرب کے دانشوروں کے شہ پاروں میں سے منتخب تصانیف اکٹھی کی جائیں اور انہیں اُردو زبان کا جامہ پہنا کر نونہالانِ وطن کی دینی و ذہنی تربیت کا بندوبست کیا جائے اس سلسلہ میں پیرِ طریقت حضرت مولانا سیّد انور حسین نفیس شاہ مدّ ظلہ العالی اور میرے عزیز دوست ڈاکٹر عبد القیوم پی ایچ ڈی کونسلر تعلیم پاکستان ایمبیسی جدّہ نے تعاون فرمایا اور معلومات افزا، جدید رجحانات اور علمی کاوشوں سے مزیّن کچھ کتب میسّر آگئیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عربی زبان میں اتنا ذخیرہ ہے کہ اگر اسے اکٹھا کیا جائے تو ہزاروں نئی کتب مرتب ہو سکتی ہیں۔

کتب تو میں لے آیا لیکن اسے اُردو میں منتقل کرنے کا مرحلہ خاصہ دشوار تھا۔ میں نے کئی عربی دان مترجموں پر نظر دوڑائی لیکن تسلّی نہ ہوئی۔ آخر کار اپنے محترم بھائی اور سیاسی و دینی ہمسفر حضرت مولانا حافظ محمد رمضان صاحب علوی کے ہونہار فرزند مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی پہ آکر نظر رُک گئی۔ میں نے ان کی بہت سی تحریریں پڑھی تھیں۔ اور عربی سے اُردو تراجم بھی دیکھے تھے۔ ان سے رابطہ

کی تو انہوں نے بخوشی قبول فرمایا۔ جب پہلا سلسلہ ترجمہ ہو کر آیا تو مجھے یہ دیکھ کر یک گونہ خوشی ہوئی کہ عزیزم نے بڑے ہی پیارے انداز میں عربی کو اُردو کا لبادہ اوڑھا دیا ہے۔ مصنّف نے عربی عبارت میں جو چاشنی سموئی تھی وہ اُردو میں بھی برقرار رکھی گئی ہے۔ پیرایۂ بیان اس قدر دلکش ہے کہ قاری کسی جگہ بھی بور نہیں ہوتا۔

اگرچہ اُردو زبان میں وسیع ذخیرہ کتب مختلف موضوعات پر موجود ہے۔ اور ہر روز نئی سے نئی کتاب چھپ کر آ رہی ہے۔ لیکن اس حقیقت سے اغماض نہیں کیا جا سکتا کہ ہمارے ہاں کے مصنّف وہی گھسے پٹے انداز میں اظہارِ خیال کرنے پر ہی اکتفا کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔ وہ نئے اندازِ تحریر اور نفسیاتی پہنچ سے یکسر قاصر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے ہاں کتب کی خرید و فروخت حوصلہ افزاء نہیں۔ ایک ہزار کا ایڈیشن کئی کئی سال میں فروخت ہوتا ہے۔ جو لوگ کتب بینی کا شوق رکھتے ہیں۔ ان کے علم میں ہے کہ ممالک عربیہ میں نئی کتب دھڑا دھڑ چھپ رہی ہیں۔ بیروت۔ قاہرہ۔ عمان۔ بغداد اور مدینہ منوّرہ کے کتب خانے نئی مطبوعات سے بھرے پڑے ہیں۔ ہماری کوشش ہونی چاہیئے کہ نئے علوم میں دسترس حاصل کریں اور ساتھ ہی ساتھ طریقِ اظہار کے نئے اسلوب اپنائیں تاکہ نفسِ مضمون میں دلچسپی کے ساتھ ذہنِ رسا کو جِلا نصیب ہو۔

ہم نے عربی سے اُردو میں منتقل کرنے کے اس سلسلہ کو زیادہ سے زیادہ دلنواز بنانے کے لیے اس کے ظاہری حُسن کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ عرب ممالک کے نئے رجحانات کو پاکستانی عوام تک پہنچائیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہم نے اُردو ترجمہ کے لیے متعلقہ اداروں سے باقاعدہ اجازت بھی حاصل کی ہے۔ اور ان کے حقوقِ ترجمہ و اشاعت ہمارے حق میں محفوظ ہوں گے۔

اس موقع پر یہ دعویٰ تو مناسب نہ ہوگا کہ ہم تمام ہی علوم پر مشتمل عربی کتب کا ترجمہ اردو دان طبقہ کے لیے پیش کر دیں گے۔ لیکن اس امر کا ارادہ ضرور ہے کہ قوم و ملک کی نئی پود کی ابتدائی تعلیم کے لیے مفید اور معلومات افزاء کتب جہاں سے بھی ہمیں

دستیاب ہوں گی انہیں اُردو کا لبادہ اڑھانے کی سعی کریں گے۔ کیونکہ ہماری نسبت مغربی ممالک کے قریب ہونے کی وجہ سے مشرقِ وسطیٰ کے دانشور، صحافی، محقق صاحبِ علم و فراست اہلِ قلم بڑی تیزی سے جدید علوم کو بہترا تداز میں عربی میں منتقل کر رہے ہیں۔ انسانی نفسیات معلوم سے نامعلوم کی طرف بڑھنے کے قدرتی جذبہ کی رہنمائی کرتی ہے۔ جس کے نتیجہ میں متجسس نگاہیں قرب و جوار کا جائزہ لینے پر مجبور ہوتی ہیں۔ اور جب وہ تشنگی محسوس کرتی ہیں تو پھر ادھر دنیا سے معلومات حاصل کر کے اپنی ذہنی و علمی استعداد کو بڑھانے کی کوشش کرتی ہیں۔ فی زمانہ اس کی بہت گنجائش ہے۔ اگر کوشش کی جائے تو بڑی آسانی سے اہلِ ملک کے لیے مفید و کار آمد علمی ذخیرہ مہیا کیا جا سکتا ہے۔ اس سلسلہ کی ابتداد برکت کے لیے ہم نبی پاکؐ اور اُن کے خاندان کے تذکرہ سے کر رہے ہیں۔

اس طرح پہلی کاوش "اہل بیت" کے نام سے نظرِ ناظرین ہے۔ عربی میں یہ چھوٹے کتابوں کی صورت میں الگ الگ شائع ہوئے ہیں۔ لیکن ہم ترجمہ کر کے انہیں ایک جلد میں پیش کر رہے ہیں۔ لفظ "اہل بیت" کن ہستیوں پر منطبق ہوتا ہے۔ اس پر فاضل مترجم نے دیباچہ کتاب میں سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس وقت تک جو کتابچے مل سکے ہیں وہ یکجا پیش خدمت ہیں "اہل بیت" کی نسبت دیگر مقدس شخصیات پر مشتمل مضامین جلد دوم کی صورت میں پیش کئے جائیں گے۔ اِن شاء اللہ۔ اس سلسلہ کی مزید کتب زیرِ ترجمہ و ترتیب ہیں تفصیل اسی کتاب کے ۹/۱۰ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

یکم اکتوبر ۱۹۸۹ء

ثناء اللہ بصرہ

سلسلۂ تراجم عربی سے اردو

ترجمہ: مولانا محمد نعیم الرحمن علوی

ابوالبشر: سیدنا آدم علیہ السلام کے حوالہ سے ایک تحقیقی بحث - الشیخ شہاب الدین الندوی

پیغمبرِ انسانیت: کائنات کے سب سے بڑے انسان کی حیاتِ طیبہ کے مبارک و مسعود گوشے - الشیخ الصابونی، الشیخ ابوبکر الجزائری اور دوسرے محققین کی کاوش!

مالکِ کائنات کی یکتائی: مسئلہ توحید پر گراں قدر تحریریں — الشیخ محمد قطب

اہل بیت (حصہ اوّل) حضرت آمنہ رض سے سیدہ فاطمہ رض تک — فائد العمروسی

خلفاء راشدین: حسنِ کردار و عمل — الشیخ خالد البیطار کا قلمی شاہکار

یارانِ رسول ﷺ: منتخب صحابہ کرام پر یادگار تحریریں — عبد الرحمان رأفت الپاشا

شہداء اسلام: نبوت کے عہد زریں میں اسلام و انسانیت کی خاطر نذرانہ خون پیش کرنے والے فداکاروں کا ذکرِ خیر — ڈاکٹر علی سامی النشار

اسلام اور اخلاق: "نبی محترم تکمیل اخلاق کے لیے مبعوث ہوئے" اس پس منظر میں اسلامی اخلاق کی حسین تصویر۔ ڈاکٹر عبد اللطیف محمد العبد اور عبد المحسن بن حمد العبد کی کاوش۔

قرآنی واقعات میں سامانِ عبرت و بصیرت:

واقعات قرآنی کا اصل پہلو — محمد قطب عبد العال

اگلی دنیا — موت کے بعد کی زندگی اور اس سے متعلق پیدا کردہ شکوک و شبہات

کا جائزہ ——————— امام ابوبکر بن ابی داؤد

عورت — جاہلیت اور اسلام میں — آج کے سلگتے موضوع پر ایک قابلِ تحسین

کاوش — الاستاذ سعد صادق محمد کے قلم سے۔

تربیت — اسلام کے نقطۂ نظر سے — ایک بنیادی مسئلہ جس سے ہم سب غافل ہیں۔

"ڈاکٹر ماجد، امام ابوبکر ابن السنی اور حسن ملا عثمان" جیسے اہلِ علم

کا نقطۂ نظر۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ابتدائیہ

"اہل بیت" کا ترجمہ ہے۔ گھر والے۔ لیکن یہ لفظ بنیادی طور پر رسولِ محترم امام خاتم و نبی معصوم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ و اصحابہ وسلم کی "ازواجِ مطہرات" سے متعلق بولا جاتا ہے۔ جب کہ بعض دوسرے اعزّہ خاص طور پر صاحبزادیوں پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ قرآن عزیز میں یہ لفظ دو مقام پر آیا ہے۔

سورۂ ہود آیت ۷۳ —— یہ وہ مقام ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو سیّدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پاس بھیجا جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیّدنا خلیل کو "بیٹے" کی بشارت دی۔ سیّدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم —— بڑھاپے کی منزل میں تھے۔ ان کی اہلیہ کا یہی حال تھا۔ جیساکہ اُن کی اہلیہ کے حوالہ سے قرآن عزیز کہتا ہے:

"اُس نے (سیّدنا خلیل کی اہلیہ) نے کہا، مجھ پر تعجب؟ میں جنوں گی، حالانکہ میں بڑھیا ہوں اور یہ میرا خاوند بھی بوڑھا ہے یہ تو بڑی عجیب بات ہے۔" (ہود)

اس کے جواب میں فرشتوں کی بات پر قرآن عزیز آیت ۷۳ میں نقل کرتا ہے:

"اُنہوں۔ نے (فرشتوں نے) کہا، کیا تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے

تعجب کرتی ہے؟ اے "اہل بیت" اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور
برکتیں تم پر ہیں ـــــ وہ تعریف کیا گیا بزرگ ہے ـــــ یعنی
اللہ رب العزت ـــــ (آیت ۷۳)

سیدنا خلیل اللہ کا گھرانہ ـــــ ایسا تھا کہ ہنوز اس گھر میں اولاد نہ تھی۔ محض اہلیہ تھی ـــــ ان کے تعجب و استعجاب پر کہ بڑھاپے میں اولاد کیوں کر ہوگی ـــــ؟ فرشتوں نے بطور خاص "اہل بیت" کہہ کر انہیں مخاطب کیا اور کہا کہ اولاد بخشنا اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے ـــــ تو اس کی رحمت سے تعجب کیوں؟

گویا یہ آیت اس معاملہ میں بڑی واضح ہے کہ "اہل بیت" سے مراد بنیادی طور پر "بیوی" ہوتی ہے۔ دوسرا مقام "سورۂ الاحزاب" کا ہے۔ آیت ۳۳ یہ آیت بطورِ خاص حضور اقدس محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ کی ازواجِ مطہرات سے متعلق ہے۔ ترجمہ ملاحظہ فرمائیں۔

"اور اپنے گھر میں بیٹھی رہو، اور گذشتہ زمانہ جاہلیت کی طرح بناؤ سنگھار نہ دکھاتی پھرو، اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو، اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو، اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے اس گھر والو تم سے ناپاکی دور کرے اور تمہیں خوب پاک کرے۔"
(ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری)

اس آیت کریمہ میں بھی بہت صاف لفظوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواجِ مطہرات کو "اہل بیت" کے عنوان سے یاد فرمایا گیا ـــــ اس کی مزید تشریح اس آیت سے ماقبل کی ۵ اور مابعد کی ایک آیت کریمہ کو ساتھ ملاکر پڑھنے سے خوب سامنے آسکتی ہے۔

ایک مرحلہ پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ازواجِ مطہرات نے اپنے خرچ کے معاملہ میں کسی قدر اضافہ کی درخواست کی ـــــ ظاہر ہے کہ اپنے عظیم خاوند سے ایسی درخواست نہ حرام تھی نہ مکروہ ـــــ لیکن نبی مکرم کے گھرانہ سے

اللہ تعالیٰ کو جو تعلق خاص تھا، اس کے لحاظ سے پیغمبرِ اسلام کی ازواج مطہرات کو مخاطب کر کے کہا گیا ـــــ مفہوم یہ ہے :

"دنیوی زندگی کی سہولت مقصود ہے تو وہ ممکن ہے لیکن اس گھر سے رخصت ہونا پڑے گا۔" (آیت ۲۸)

"اور اگر انہی حالات پر قناعت ممکن ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولؐ کی خوشنودی مقصود ہے تو سبحان اللہ اجر ہی اجر ہے۔" (آیت ۲۹)

"اس پاکیزہ گھر کی ملکہ ہونے کے ناطے سے تم سے گناہ سرزد ہوا تو عذاب دُگنا ـــــ اور۔" (آیت ۳۰)

"اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی تابعداری میں زندگی گذرے گی تو اجر بھی دُہرا اور "رزق کریم" بھی خوب ملے گا۔" (آیت ۳۱)

پھر آیت ۳۲ میں یوں خطاب وارشاد ہے :

"اے نبی کی بیویو! تم معمولی عورتوں کی طرح نہیں ہو، اگر تم اللہ تعالیٰ سے ڈرتی رہو تو دبی زبان سے بات نہ کہو کیونکہ جس کے دل میں مرض ہے وہ طمع کرے گا (بلکہ تم) بات معقول کہو۔" (ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری)

بعدازاں آیت ۳۳ ہے۔ جس کا ترجمہ پہلے گذر چکا ہے اور اس سلسلہ کی آخری آیت ۳۴ ہے۔ جس میں ہے :

"اور تمہارے گھروں میں جو اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں انہیں یاد رکھو، بے شک اللہ تعالیٰ رازدان خبردار ہے۔" (ترجمہ مولانا احمد علی لاہوری)

قرآن مجید ـــ جو اللہ تعالیٰ کی کتاب آخری ہے ـــــ انسان کے لیے صحیفہ ہدایت ـــ روگی دلوں کے لیے مسیحا اور نسخہ شفاء، اس پر سیدھے سادھے

طریقہ سے غور کرنے والا ان آیات سے خوب سمجھ سکتا ہے کہ "اہل البیت"
فی الحقیقت ازواج مطہرات ہی ہیں۔

ہمارے تفسیری ذخیرہ میں "کشاف" کا مقام اہلِ نظر سے مخفی نہیں
کلاسیکل تفسیری کتاب ہے۔ صاحبِ کشاف فرماتے ہیں:

"وفی ھذا دلیل بین علی انّ نساء النبی صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم من اھل بیتہ ثم ذکرھن ان بیوتھن مھابط الوحی الخ

(کشاف: جلد۳ ص ۲۶۰ دار المعرفۃ بیروت)

یعنی اس آیت کریمہ میں دلیل ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں،
"اہل بیت" ہیں۔ پھر انہیں یاد دلایا گیا کہ ان کے گھر وحی اترنے کی جگہ ہیں۔

اسی طرح القرطبی رحمہ اللہ تعالیٰ ـــــ اپنی معروف و معتبر تفسیر میں فرماتے ہیں:

"اہل علم کا اس میں اختلاف ہے کہ "اہل بیت" کون ہیں"
جناب عکرمہ، عطاء اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما
رحمہا اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وہ محض ازواج مطہرات ہیں، کوئی مرد اس میں شریک نہیں
ان کا خیال ہے کہ بیوت سے مراد (اور یہ بالکل صحیح خیال ہے)
پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر ہیں"

(جلد ۱۴ ص ۱۸۲۔ احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ـــــ جیسے "حبرِ امت"
"ترجمان القرآن" کی بات معمولی نہیں۔ یہ بات بے حد وقیع ہے اور بلاشبہ
قرآن کا منشا یہی ہے۔

باقی ایک فرقہ ـــــ بطور خاص کلبی، اس سے سیدنا علی، فاطمہ، حسن،
حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ہی مراد لیتے ہیں" (قرطبی۔ حوالہ بالا)
ظاہر ہے کہ یہ نقطۂ نظر صریحاً غلط ہے ـــــ تبعاً یہ حضرات شامل

ہو سکتے ہیں، جس کی بنیاد ایک روایت ہے جس کی نسبت روایت ام المومنین سیدہ اُم سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی طرف ہے ــــ اس روایت کو حضرت الامام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ــــ لیکن حضرت الامام نے اس پر "حدیث غریب" کا حکم دیا ــــ اہلِ علم جانتے ہیں کہ فنی اعتبار سے اس روایت کا کیا درجہ ہے؟

وہ روایت یہ ہے ــــ خلاصہ ملاحظہ فرمائیں:

کہ سیّدہ ام سلمہؓ کے بقول حضور اکرم میرے گھر میں تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ نے جناب علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ کو بلا کر چادر کے نیچے جمع کر لیا۔ اور فرمایا یہ میرے اہل بیت ہیں۔ اے اللہ ان سے ناپاکی دور کر دے، انہیں پاک بنا دے۔ سیّدہ کے بقول اُنہوں نے جب اپنے متعلق پوچھا ــــ کہ میں اہل بیت میں شامل ہوں تو فرمایا:

"اَنْتِ عَلٰی مَکَانِکِ وَاَنْتِ عَلٰی خَیْرٍ

"تم تو ہو ہی ــــ اور تمہارا کیا تم تو بہتری کے ساتھ ہی متصف ہو"

یہ روایت جیسا کہ عرض کیا گیا ــــ ضعیف ہے ــــ اس سے زیادہ سے زیادہ یہی ثابت ہوتا ہے کہ پیغمبر اقدس نے اپنے چھوٹے داماد، چھوٹی صاحبزادی اور دو نواسوں کو چادر میں لے کر انہیں اس لقب سے سرفراز فرمایا ــــ ان کے لیے دُعا فرمائی۔ اور جناب اُم سلمہ کے سوال پر فرمایا ــــ تمہیں کیا غم ــــ تم تو اصل ہو، ان کے لیے میں دعا اور فریاد کر رہا ہوں۔

بعض حضرات مثلاً جناب زید بن ارقم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ثعلبی کہتے ہیں کہ مراد نسبی اعزّہ ہیں۔ اس لیے اس میں چچا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے بچچا اور ان کی اولاد شامل ہیں ــــ اصل الفاظ ہیں کہ:

"ہم بنو ہاشم ــــ وہ بنو ہاشم ہیں" (قرطبی ص ۱۸۳ جلد ۱۴ پر ساری بحث ہے)

اِس سے کتنا پھیلاؤ ہو گیا ـــــــ اہلِ علم پر مخفی نہیں۔ اس لیے اصل بات ازواجِ مطہّرات والی ہی مناسب و صحیح ہے۔ صاحبِ قرطبی نے بعض حضرات کے اس سوال کا ذکر کیا کہ:

"اگر اس سے خاص ازواج مطہّرات مراد ہیں تو پھر جمع مذکر کی ضمیر کیوں ذکر کی گئی۔ ارشاد ہے: لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ الخ: کہ اس میں دو مرتبہ "کم" ضمیر آئی جو مردوں کے لیے ہیں۔ عورتوں کے لیے نہیں۔ ازواج مطہرات ہی مراد ہوتیں تو "عَنْكُنَّ" اور یطھرکُنَّ" ہوتا۔ جواباً ارشاد فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اپنے دوست سے پوچھے تمہارے اہل کیسے ہیں؟ تو جواباً یہ کہنا "هُمْ بِخَيْرٍ" عام عرب محاورہ ہے۔ دوسرے سورۂ ہود کی آیت ۷۳، بھی قابل غور ہے کہ اس میں سیّدنا ابراہیمؑ کی متعین طور پر اہلیہ کے لیے "كُمْ" ضمیر لائی گئی:

"رَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيْكُمْ اَهْلَ الْبَيْتِ"

گویا ایسا عرب محاورہ میں ہوتا ہے۔ (قرطبی جلد ۱۴ ص ۱۸۳)

ایک ہمعصر مفسّر و خادم نے "الاحزاب" کی آیت کے حوالہ سے لکھا:

"اہل البیت" سے مراد وہ ہوں گے جن کو ایک گھر جمع کرے اور گھر میاں بی بی اور بچّوں کو جمع کرتا ہے، پس ایک شوہر کے اہل بیت بی بی اور بچّے ہیں۔ داماد کی شمولیت کو دقّت طلب قرار دیتے ہوئے انھوں نے کہا کہ خسر، اور داماد ایک گھر کے رہنے والے نہیں ہوتے۔"

اس کے بعد انھوں نے براہِ راست قرآنِ حکیم کا مطالعہ پیش کرتے ہوئے لکھا:

"لیکن اگر ہم خود قرآن کریم پر غور کریں تو بات صاف ہوجاتی ہے۔ یہاں ساری ہدایات جو موجب تطہیر ہوسکتی ہیں، یعنی زینتِ دنیوی کا ترک کرنا، اللہ اور رسولؐ کی اطاعت، امر بالمعروف، گھروں میں ٹھہرنا، محاسن کی نمائش نہ کرنا، نماز کا قائم کرنا وغیرہ سب بیبیوں کے لیے ہیں، اور اس ٹکڑے سے پہلے بھی انہی کا ذکر ہے۔ اور بعد میں بھی انہی کا۔ لغت کی رُو سے اہل بیت کا لفظ اولاً بی بی پر آئے گا۔ ثانیاً اولاد پر قرآن کریم میں یہ لفظ خود انہی معنوں میں آیا ہے۔ (انہوں نے بھی سورۂ ہود کی آیت کا حوالہ دیا۔ جہاں اس لفظ سے مراد حضرت ابراہیمؑ کی اہلیہ ہیں) مذکر کی ضمیر کے اعتراض کو انہوں نے زبان و ادب کے لحاظ سے نہایت بودا قرار دیا۔ ترمذی کی روایت کا موصوف نے ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایک روایت میں حضرت ام سلمہؓ کے سوال پر آپ نے فرمایا "تو بھلائی کی طرف ہے۔ کیوں کہ تو نبیؐ کی بیبیوں میں سے ہے۔ گویا فرمایا کہ تم تو پہلے ہی اس کا مصداق ہو۔ ان کے لیے دعا کی گئی"۔

(بیان ص ۹۹-۱۰۹۸)

جب ہم اس موضوع پر زیادہ غور کرتے ہیں تو یہ سامنے آتا ہے کہ:

الاھل - اھل الرجل واھل الدار

"کسی شخص کے متعلقین یا گھر والے"۔ (لسان بذیل مادہ)

"صاحب محیط" کی رائے میں عبرانی زبان میں "اہل" کے مادے سے "اوھل" (OHEL) کے معنی خیمہ کے ہیں۔ گویا۔ وہ لوگ جو کسی کے ساتھ ایک ہی خیمے میں رہتے ہوں"۔

(دائرۃ المعارف الاسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور ص ۵۷۵ جلد ۳)

ابن ابی حاتم اور ابن عساکر نے حضرت عکرمہ اور ابن مردویہ نے بحوالہ حضرت سعید بن جبیر اور حضرت عبداللہ بن عباس رض سے نقل کیا:

"کہ اہل البیت والی آیت احزاب ازواج مطہرات کے حق میں نازل ہوئی"۔

(تفسیر فتح القدیر جلد ۴ ص ۲۷۰ مطبوعہ مصر)

امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح میں قرآن کریم کی سورۂ احزاب کی آیت ۳۳ (اے مومنو! تم نبی کے گھر "بیوت النبی میں داخل ہو) کے ضمن میں لکھا:

"نبی خاتم و امام معصوم صلی اللہ علیہ وسلم سیدتنا و مخدومتنا، عائشہ صدیقہ حمیرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر تشریف لے گئے تو فرمایا:

السلام علیکم اهل البیت و رحمة الله

جواب میں انہوں نے عرض کیا:

وعلیك السلام و رحمة الله وبرکاته

سیدنا علی۔ فاطمہ۔ حسن۔ حسین رضی اللہ عنہم کو جس طرح نبی علیہ السلام نے چادر میں لے کر دعا کی۔ اسی طرح کی روایت سگے چچا سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے بچوں کے لیے بھی ہے"۔ (اردو دائرہ معارف جلد ۳ ص ۵۷۸)

اور پہلے بھی یہ گزرا کہ بعض حضرات تمام تر بنو ہاشم کو شامل کرتے ہیں جہاں تک شمولیت کا تعلق ہے۔ اس میں روایات کے حوالہ سے کئی ایک کو شامل کیا جا سکتا ہے۔ حضرت المخدوم سیدنا سلمان الفارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے آخر روایت "سلمان اہل بیت منا"، کے الفاظ موجود ہیں لیکن بنیادی طور پر قرآن عزیز کو سامنے رکھا جائے اور "الاحزاب" کے

رکوع ۴ ۔ جس کی آیت کے حوالہ سے بحث ہوئی ۔ کے پورے مضمون پر غور کیا جائے تو "قرآنی اہل البیت" کا اوّلین اور بنیادی مصداق —— حضور اکرم، محمد الامین صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں ۔ جو کائنات انسانی کی خواتین کی سرخیل و سرگروہ ہیں ۔ جنہیں ایک تھائیں منظر میں "سورۂ نور" کے تیسرے رکوع کے آخر میں "الطیبات" کے پاکیزہ ترین لقب و خطاب سے یاد کیا گیا ۔ جو بلاشبہ ان ہی عفت مآب خواتین کے سر پہ سجتا ہے ۔ جنہیں قرآن عزیز نے "امت مسلمہ" کی مائیں قرار دیا ۔ (الاحزاب : ۶)

یہی سبب ہے کہ رواں صدی میں قرآن کریم کے عجیب و غریب نکات فضا میں بکھیرنے والے صاحب وجد عالم السیّد عطا اللہ شاہ صاحب بخاری —— ان عفت مآب خواتین کو روحانی نہیں قرآنی مائیں قرار دیتے تھے کہ روحانیت کا دائرہ بہت وسیع ہے قرآنی مائیں ہونے کا شرف انہیں ہی حاصل ہے ۔

جو تفصیل اوپر گزری، اس کی روشنی میں سلسلہ "اہل البیت" کے چھ عربی رسائل —— محمد[1] سید المرسلین —— آمنہ[2] (والدۂ محمد کریم) —— خدیجہ[3] (اہلیہ محترمہ) —— زینب[4] —— فاطمہ[5] —— رقیہ[6] و ام کلثوم —— جو "دارالشروق" بیروت اور قاہرہ کا وقیع تجارتی ادارہ ہے، سے شائع ہوئے —— جناب "فائد العمروسی" کے قلم سے نکلے ہوئے یہ رسائل خود ان کے الفاظ میں "اسلوب سہل" اور "تعبیر یسیر" کے ساتھ لکھے گئے تاکہ ہر قاری اختلاف عمر و ثقافت کے بغیر آسانی سے استفادہ کر سکے ۔

مصنّف کے نزدیک "اہل البیت" سے مراد مصطفیٰ رسول کریم —— کی اولاد (صاحبزادیاں) اور ازواج ہیں ۔ (پہلا رسالہ : ص ۵)

انہوں نے برکت و تیمن کے لیے رسول محترم سے ابتدا کی، تاکہ ان کی ازواج

اور صاحبزادیوں کا تذکرہ پڑھنے والا اس منبع جود وکرم اور انسان کامل سے آگاہ ہو سکے۔ جس کی نسبت نے ذرّوں کو ستاروں پر برتری بخش دی ——— چاروں صاحبزادیوں کا حسین و جمیل ذکر ہے۔ تو ازواج میں سے محض پہلی زوجہ محترمہ اور پہلی مسلمان خاتون سیّدہ خدیجہ کا، جن کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ صاحبزادیاں بخشیں۔ اے کاش ——— مؤلّفِ علّام کے قلم سے باقی ازواج مطہّرات کا بھی اسی طرح تذکرہ آجاتا۔

لَعَلَّ اللہَ یُحْدِثُ بَعْدَ ذٰلِكَ اَمْرًا

البتہ ——— اس میں سیّدہ آمنہ ——— والدہ مکرمہ نبی محترم کا ذکر ہے ——— اس پر مستقل رسالہ ہے۔ جس میں بہت حد تک آپ کے والد گرامی خواجہ عبداللہ کا بھی ذکر آگیا ——— بنیادی معنوں میں وہ اہل البیت میں سے نہ سہی، لیکن محمدؐ پاک جس سعید باپ کے سعید بیٹے ہیں۔ اور جس پاک گود میں اُنھوں نے پرورش پائی۔ ان کا تذکرہ از بس لازمی ہے کہ اس میں بہت سوں کے لیے سبق ہے اور بے حد!

○

(میرے مکرم چودھری ثناء اللہ بھٹہ صاحب ——— والد گرامی حضرت مولانا الحافظ محمد رمضان العلوی کے عزیز ترین ساتھی ہیں ——— اس لیے میرے لیے صاحب حق ہیں، امسال زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔ عام زائرین حرمین کی طرح بے مقصد خریداری کے بجائے "بازارِ علم" کی خاک چھان کر بعض جواہر ریزے ہمراہ لائے، تاکہ ان سے اہلِ وطن مستفید ہو سکیں ———!

ترجمہ کے لیے نظر پڑی ——— تو مجھ پر، جس کے پاس نہ علم ہے نہ عمل۔ بلکہ اپنے وجود پر نظر پڑتی ہے تو سوچتا ہوں ؏

"درحیرتم کہ دہقاں بچہ کار کشت مارا؟"

لیکن ان کی محبّت، اور اعتماد نے مجھے حوصلہ بخشا ـــــ پھر شخصیات وہ جن کا ذکر بجائے خود کارِ ثواب و ذریعہ ہدایت۔

اسلوب اِتنا پیارا کہ میں اس میں کھو گیا ـــــ کلاسیکل کہانی کے انداز میں حقائق کی سچّی تصویر، جو دل میں اترتی چلی جائے ـــــ میں نے صرفی و نحوی تراکیب اور بندشوں کا لحاظ کئے بغیر عربی اسلوب میں اسے ڈھالنے کی کوشش کی تاکہ سبھی بالخصوص بچّے استفادہ کرسکیں۔ اور خوشی و مسرّت کے جذبات سے!

حضرت الامام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے کلام و فقہ کے مارے ہوئے ایک شاگرد کو سکونِ قلب و راحتِ جاں کے لیے "سیرتِ نبوی" کے مطالعہ کا مشورہ دیا۔ اور میرے خیال میں یہ مشورہ صد فی صد درست و صحیح ہے ـــــ قرآن اور صاحبِ قرآن کی سیرت ہی، دُکھی دلوں کا درماں ہے اور بس!

○

میری اس حقیر کاوش و کوشش میں کوئی بہتری کا پہلو نظر آئے تو مجھے، میرے والدین، علمی محسنوں اور اعزّہ و اقرباء کو اپنی دعاؤں میں یاد کرلیں ـــــ کہ یہ بڑا احسان ہوگا۔

کوتاہی کا جو پہلو سامنے آئے تو اسے میری کم سوادی پر محمول کر کے مناسب اور صائب مشورہ سے سرفراز فرمائیں ـــــ تاکہ اس کی اصلاح ہوسکے۔

○

میں گرامی قدر بُھٹّہ صاحب کا شکر گزار ہوں کہ ان کے ذریعہ یہ مبارک خدمت میرے حصّہ میں آئی ـــــ پڑھنے والے سبھی حضرات کو ان کا ممنون

کرم ہونا چاہیئے۔

اللھم تقبل منا انك انت السمیع العلیم
بحرمة النبی الکریم محمد الامین خاتم النبیّین
والمعصومین، صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ
اجمعین۔

۱۲۔ اے شاہ جمال لاہور — شفاعتِ نبوی کا محتاج
۱۲۔ صفر الخیر ۱۴۱۰ھ ۱۳ ستمبر ۱۹۸۹ء — محمد سعید الرحمٰن علوی
بعد صلوٰۃ العشاء!

○

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سیدتنا عائشہ صدیقہ طاہرہ حمیرا
رضی اللہ تعالیٰ عنہا

ارشاد فرماتی ہیں :

" میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کو دیکھا کہ آپ نے حسن اور حسین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کو اپنے زانوں پر بٹھا رکھا ہے۔ فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) آپ کے دائیں اور علی (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بائیں طرف (بیٹھے) پھر آپ نے قرآن عزیز کی یہ آیت پڑھی :

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُذْھِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَھْلَ الْبَیْتِ وَ یُطَھِّرَکُمْ تَطْھِیْرًا[1]

اللہ تعالیٰ یہی چاہتا ہے کہ اے اس گھر والو تم سے ناپاکی دور کرے اور تمہیں خوب پاک کرے[2]

نوٹ :۔ " ابتدائیہ " میں ہماری بحث سے یہ حدیث مطابقت نہیں رکھتی لیکن جناب مصنف نے چونکہ اسے درج کیا ہے۔ اس لیے اخلاقاً اس کا حوالہ ضروری ہے۔ ویسے حدیث ضعیف ہے اس کا ذکر ابتدائیہ میں ہے۔ اس بحث کو توجہ سے پڑھیں۔ (علوی)

---

[1] الاحزاب : ۳۳

[2] ترجمہ : مولانا احمد علی لاہوری۔

★

سلسلۂ اہل البیت (۱)

حضرت آمنہ

اُمُّ الرسولؐ

★

۱

آمنہ —— نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ۔

ان کے والد "وہب بن عبد مناف" تھے، جو اپنے قبیلہ "بنو زہرہ" کے سردار تھے۔ انہیں معاشرہ میں بڑا مقام حاصل تھا۔ ان کا نسب بہت ہی پاکیزہ اور ان کا خاندان بہت ہی شریف تھا۔

قبیلہ "بنو زہرہ"، مکہ معظمہ کے بہت ہی معزز قبائل میں سے ایک تھا۔ جس کا نسب بلند تھا۔ اور مکہ میں اس قبیلہ کو بڑا احترام حاصل تھا۔

خواجہ عبداللہ —— نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد۔

ان کے والد گرامی "عبد المطلب بن ہاشم" تھے۔

جب کہ ان کا قبیلہ "قریش"، تھا —— دنیائے عرب کا سب سے بڑا قبیلہ یہی تھا۔ قوت و شوکت کے اعتبار سے عظیم تر اور حسب و نسب کے اعتبار سے بہت ہی بزرگ!

خواجہ عبد المطلب قریش کے سردار، عظیم ترین انسان اور ایسے امیر و سردار تھے جن کا حکم سبھی تسلیم کرتے۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر۔ کعبہ —— کے متولی و نگہبان تھے اور موسم حج میں دنیا بھر سے آنے والے لوگوں کے میزبان۔

ان دونوں قبیلوں (بنو زہرہ اور قریش) کے درمیان مخلصانہ تعلقات استوار تھے۔ سچی دوستی، باہمی محبت اور ایک دوسرے کے ساتھ تعاون ان کا شعار تھا اور یہ اچھے پڑوسی شمار ہوتے اس لیے دونوں قبیلوں کے افراد۔

مرد، عورتیں، بچے ـــــ مناسب مواقع پر ایک دوسرے کے یہاں اس طرح آتے جاتے جیسے عید وغیرہ کے مواقع پر لوگ ہنسی خوشی ملتے ہیں۔

جناب عبداللہ سات برس کے تھے اور سیدہ آمنہ پانچ برس کی، جب انہوں نے ایسے ہی مواقع پر ایک دوسرے کو دیکھا، اکٹھے کھیلنا کودنا، باہر کھلی فضا میں چلے جانا۔ کبھی تو مکہ کے گرد و نواح کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیوں پر چڑھنا اور کبھی وادیوں کی طرف نکل جانا ان کا مشغلہ تھا ـــــ ایسی وادیاں جہاں کھجور کے باغات اور زیتون کے درخت ہوتے یا جہاں چرواہے اپنی بکریاں لے کر جاتے اور خوشی کے گیت اور نغمے گاتے۔

عبداللہ اور آمنہ، اسی طرح نشو و نما پاتے رہے اور ان کے درمیان ایک تعلق خاطر پیدا ہو گیا۔ خاص طور پر جب مختلف تقریبات میں دونوں خاندانوں کے افراد ملتے تو یہ ایک دوسرے کے بہت قریب ہوتے جب آمنہ ۸ برس کی ہو گئیں تو شرفاء کے طور طریقوں کی طرح ان کے خاندانی بزرگوں نے گھر سے باہر آنے جانے پر پابندی لگا دی۔ اس کے بعد (شادی سے قبل) انہوں نے ایک دوسرے کو نہیں دیکھا۔

ذرا سی دیر کے لیے ان دونوں کا تذکرہ روک
کر درمیانی کڑیوں کا ذکر۔

○

ایک صبح پیغمبر انسانیت کے دادا خواجہ عبدالمطلب اپنی کدال لیے گھر سے نکلے اور اس کے ساتھ کعبۃ اللہ کی طرف کی زمین کو کھودنے لگے، جب کہ ان کے اکلوتے بیٹے "حارث"[۱]، ٹوکرے میں مٹی اٹھا اٹھا کر دور کسی جگہ پھینکنے

---

[۱] اس وقت آپ کے یہی ایک صاحبزادے تھے، باقی اولاد اللہ تعالیٰ نے بعد میں عطا کی۔ (علوی)

لگے۔

اسی اثناء میں قریش کے بعض بزرگ وہاں سے گذرے، انہوں نے کعبۃ اللہ کے پڑوس میں عبدالمطلب کو زمین کھودتے دیکھا تو چیخ اُٹھے۔

عبدالمطلب۔ کیا کر رہے ہو؟

عبدالمطلب نے انہیں دیکھا اور کہا:

مٹی کھود کر زمزم کا چشمہ اور کنواں صاف کرنے لگا ہوں۔

انہوں نے تعجب سے کہا —— زمزم کا چشمہ صاف کرنے لگے ہیں؟

وہ تو سالہا سال سے مٹی میں دب کر رہ گیا ہے اور کسی کو اس کے نشانات کا علم نہیں، عبدالمطلب نے خوداعتمادی سے کہا:

"مجھے اس کے نشانات کا علم ہے اور مجھے بھید پر مطلع ہو جانے کے سبب اس کی کھدائی کا حکم دیا گیا ہے"

سرداران قریش یہ باتیں سن کر ہکا بکا رہ گئے اور کہنے لگے:

آپ کو اس کی کھدائی کا کس نے حکم دیا اور اس کے نشانات کی کس نے رہنمائی کی؟

عبدالمطلب نے کہا:

میں ایک دن کعبۃ اللہ کے پڑوس میں سو رہا تھا کہ میں نے ایک غیبی آواز سُنی، جس میں کہا گیا تھا:

"اُٹھو اور زمزم کے چشمہ کی صفائی کرو"

میں آواز سُن کر ہڑبڑا کر اٹھا، اپنے اردگرد دیکھا تو کوئی موجود نہ تھا۔ میں نے اپنے جی میں کہا، جو میں نے سُنا شاید وہ کوئی وہم ہو۔

۲

دوسرے دن میں اسی طرح اسی جگہ سو رہا تھا کہ ویسی ہی آواز مجھے سنائی دی میں خوف زدہ ہو کر جاگ اُٹھا، مجھ پر دہشت کی کیفیت طاری تھی۔ اس حال میں میں نے اپنے دل میں کہا:

"زمزم کی جگہ کون سی ہے جسے میں کھود دوں؟"

تیسرے دن اسی جگہ سوتے ہوئے غیبی آواز آئی ——— کہنے والا مجھے کہہ رہا تھا:

"چند دنوں کے بعد ایک سیاہ رنگ کا بڑا کوا آئے گا جو اپنی چونچ سے کعبہ کے قریب کی زمین کو نشان زدہ کرے گا، اسی جگہ تمہیں زمزم کا چشمہ" ملے گا جو مٹی میں دب کر رہ گیا ہے۔"

○

عبدالمطلب برابر مٹی کھودتے رہے اور ان کے فرزند "حارث" ان کا ہاتھ بٹاتے رہے لیکن سردارانِ قریش مل کر اس کام سے روکتے رہے اور عبدالمطلب سے کہتے رہے کہ آپ تنہا یہ کام نہ کریں ——— یہ اسمٰعیل (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کا کنواں ہے (جو ہم سب کے جدِّ امجد ہیں)۔ ہم سب عنقریب اس معاملہ میں آپ کی مدد کریں گے تاکہ اس کارِ خیر میں ہمارا بھی حصّہ ہو جائے۔

عبدالمطلب نے کہا:

"اس کنوئیں اور چشمہ کی صفائی اور کھدائی تنہا میرا ہی کام ہے کہ اس کا مجھے ہی حکم دیا گیا ہے۔"

سردارانِ قریش نے کہا:

"عبدالمطلب! آپ مکّہ کے امیر ہیں اور ہمارے سردار اور سربراہ

ہمارے لیے ممکن نہیں کہ ہم اس معاملہ میں آپ کی رائے کے خلاف کریں۔"

چند دن کے بعد عبدالمطلب نے کنواں ڈھونڈھ نکالا اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔ بعد ازاں سرداران قریش آئے۔ اُنھوں نے پانی دیکھا جو کنوئیں سے اُبل رہا تھا، اس پر اُنھوں نے خواجہ عبدالمطلب سے کہا:

"آپ ہمارے سردار اور امیر ہیں اور مہمان حجاج کے لیے میزبانی کے فرائض کے ذمّہ دار، باوجودیکہ آپ کے پاس مال بھی ہم سے کم ہے اور آپ کی اولاد بھی ہم سے کم۔"

خواجہ عبدالمطلب پر قریش کی گفتگو کا گہرا اثر ہوا، انھوں نے اپنے بیٹے حارث کی طرف دیکھا اور اس سے کہا:

"حارث بیٹے تم نے سُنا، قریش کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ مجھے قلّتِ مال و اولاد کا طعنہ دے رہے ہیں، اور اس حوالہ سے مجھ پر فخر کر رہے ہیں۔"

پھر اُنھوں نے کہا:

"میں اپنے خالق و مالک کے حضور نذر مانتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے دس بیٹے عطا فرمائے، وہ جوان ہوئے تو ایک کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دوں گا۔"

۳

اس قصّہ کے بعد کئی سال گزر گئے حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے خواجہ عبدالمطلب کو دس بچّے عطا فرمائے۔ وہ سب پلے بڑھے، جوان ہوئے، ان سب سے چھوٹے خواجہ عبداللہ (رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم) کے والد تھے۔

عبداللہ کی عمر ۱۸ برس تھی، ان کے والد بطورِ خاص انہیں چاہتے اور اپنی محبت

سے نوازتے تھے۔ عبداللہ جوان رعنا تھے۔ قدوقامت متناسب اور متوسط، چہرہ حسن و جمال کا پیکر، جس سے روشنی کی کرنیں پھوٹتیں، جب کہ آنکھوں میں ربانی نور تھا، جو ان کی روح کی رفعت و بلندی، قلب کی بڑائی اور احساس کی پاکیزگی کا پتہ دیتا۔

وہ مکّہ کی گلیوں میں چلتے تو ہر طرف سے دیکھنے والے ان کا گھیراؤ کر لیتے، ہر شخص ان کے حسن و خوبصورتی پر عش عش کر اٹھتا۔ جب کہ ان کی خشئیت و تواضع اور ادب و کمال کا یہ حال تھا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔ کیا بزرگ اور کیا جوان اور کیا بچے ــــــ اسی طرح خواتین اور بچیاں ــــــ وہ سب کے لیے تعجب کا باعث تھے اور سبھی کے لیے محبت کی جگہ۔ حتیٰ کہ مکّہ کے بعض شریف خاندانوں کی بچیاں ان سے راستہ میں آمنا سامنا کر کے سلام و خیریت میں پہل کرتی نظر آتیں۔

اس عرصہ میں جناب آمنہ ۱۶ برس کی ہو چکی تھیں ــــــ وہ ایک طرح اپنے باپ کے گھر میں نظر بند تھیں ــــــ کہ نہ تو وہ کسی کو دیکھ سکتیں نہ کوئی انہیں دیکھ پاتا ــــــ تاہم عبداللہ سے متعلق خبریں انہیں گھریلو خدام اور باندیوں کے ذریعہ معلوم ہوتی رہتیں کہ وہ کس طرح ساری دنیا کی نظروں میں ہیں۔

وہ معلوم کر چکی تھیں کہ عبداللہ مکہ کے جوانوں کی زینت ہیں ــــــ وہ ایسے ہاشمی جوان ہیں جنہیں دیکھنے والے تعجب سے دیکھتے اور ان کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ آمنہ کی کبھی کبھار خواہش ہوتی کہ وہ بھی دوسرے اہل مکّہ کی طرح عبداللہ کو دیکھیں۔

اور ایسا کیوں نہ ہو؟ جب کہ عبداللہ اس کے ساتھ بچپن میں کھیلتے رہے تھے ــــــ وادیوں میں سیر کرتے رہے تھے اور مکّہ کے گرد و نواح کی پہاڑیوں پر دوڑ دوڑ کر چڑھتے رہے تھے ــــــ نیز مختلف ایّام اور خوشی کے مواقع پر آپس میں ملتے رہے تھے ــــــ یہ بچپن کی زندگی کا وہ معصوم دور تھا جب انسانی قلوب ہر طرح کی آلائشوں سے پاک محض الفت و محبت اور بھائی چارگی سے آپس میں ملتے ہیں۔

لیکن وہ انہیں دیکھ کر باتیں تو کیوں کر؟ کہ وہ تو زکا وٹوں اور پردے کی اسیر تھیں۔ اس لیے اس شریف بچی نے اس پر قناعت کی کہ بن دیکھے ان کی باتیں سنے اور ماضی بعید میں بچپن کے دَور کے گذرے واقعات سے فرحت و خوشی محسوس کرے۔

۴

ایک دن صبح کی سہانی گھڑی تھی کہ خواجہ عبدالمطلب نے اپنے لڑکوں سے اپنی نذر کا ذکر کیا اور ان سے کہا:

"جانانِ پدر! میں نے نذر مانی تھی کہ اللہ تعالیٰ کے لیے تم میں سے ایک کو قربان کروں گا۔ جب مجھے دس بچے عطا ہوں گے۔ (اب ایسا ہو گیا تو مجھے اپنی نذر پوری کرنا ہے) تمہاری رائے کیا ہے؟

سعادت مند بچوں نے عرض کیا ——— والد گرامی بہت خوشی سے ایسا کیجیے، ہم حاضر ہیں۔

خواجہ عبدالمطلب اپنے دس کے دس بچوں کو ہمراہ لے کر ہاتھ میں چھری لیے چل کھڑے ہوئے اور کعبہ کے مجاور کے پاس پہنچ کر اس سے قرعہ اندازی کی خواہش ظاہر کی تاکہ معلوم ہو سکے کہ "ذبیح" کون ہو گا؟

جونہی یہ خبر مکہ میں پھیلی، اس کی آبادی میں خوف و پریشانی کی لہر دوڑ گئی۔ اور سادات قریش کعبہ کی طرف دوڑے تاکہ عبدالمطلب کو اس ارادہ سے باز رکھ سکیں۔ لیکن عبدالمطلب نے ان کی بات سنی ان سنی کر کے مجاور سے قرعہ کی درخواست کی۔

قرعہ سب سے چھوٹے لڑکے عبداللہ کے نام نکلا جو سب سے خوبرو ہی نہیں باپ کا محبوب ترین فرزند بھی تھا۔ عبدالمطلب کا دل غم کی وجہ سے، شدید دباؤ کا شکار تھا، وہ برابر اپنے بیٹے عبداللہ کو دیکھ رہے تھے۔ جس کی قربانی کے لیے قرعہ

نکلا تھا ــــــ انہوں نے مجاور سے بارِ دیگر قرعہ کی درخواست کی کہ شاید عبداللہ کا نام اب کے نہ نکلے۔

لیکن بارِ دیگر اور پھر تیسری بار بھی عبداللہ ہی کا نام نکلا۔

تو عبدالمطلب سمجھ گئے کہ عبداللہ کی قربانی سے فرار کی کوئی راہ نہیں۔

وہ جانِ پدر کی طرف متوجہ ہوئے، چھری ہاتھ میں تھی ــــــ دل رنج و الم سے بھرا ہوا، اور آنکھیں آنسوؤں سے تر۔ سادات قریش عبدالمطلب کو اب بھی منع کر رہے تھے کہ ایسا ہرگز نہ کریں۔

عبدالمطلب نے کہا:

احبابِ گرامی ــــــ یہ میرا فرزند ہے تمہارا نہیں ــــــ اور قرعہ بار بار اسی کے نام نکلا ہے۔ تو تمہارا اس میں کیا دخل ہے؟

سردارانِ قریش میں سے ایک نے چیخ کر کہا:

عبدالمطلب! تم مکہ کے امیر اور سردارِ قریش ہو، جب تم اپنی نذر کو پورا کرنے کی غرض سے اپنا بیٹا ذبح کرو گے تو ہم سب کو تمہاری تقلید میں ایسا ہی کرنا پڑے گا ــــــ اِس طرح قریش فنا ہو جائیں گے۔

عبدالمطلب کہنے لگے:

تو پھر چارۂ کار کیا ہے؟

ایک نے کہا ــــــ ہم "خیبر" کی بڑھیا کے پاس چلتے ہیں جو کہانت کا کام کرتی ہے۔ (لوگ اس کے پاس ایسے ہی اُلجھے ہوئے مسائل کے لیے رہنمائی کے لیے جاتے) اور مسئلہ کا حل پوچھتے ہیں۔

۵

مکہ کے گلی کوچوں میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، لوگ سمجھ گئے کہ عبدالمطلب جلد ہی عبداللہ کو ذبح کر ڈالیں گے کہ تین بار قرعہ اسی کے نام نِکلا

ہے ـــــــ اس خبر سے ہر گھر، گلی اور مجمع میں غم واندوہ کی کیفیت طاری تھی ـــ اور لوگ مجمع در مجمع کعبۃ اللہ میں جا جا کر رونا دھونا کر رہے تھے تا کہ عبداللہ اس مشکل گھڑی سے نجات پا لے۔

یہ خبر گھروں اور مکانات کی چار دیواری کے اندر بھی پہنچی، خواتین اور پردہ دار بچیاں بھی اس صورتِ حال سے واقف ہوئیں تو انہوں نے آہ و بکا شروع کر دی۔ سب سے بُرا حال غم واندوہ کی وجہ سے "آمنہ" کا تھا۔ اس کا دل گویا ٹکڑے ٹکڑے ہو کر رہ گیا۔ اور اس نے اپنے والد کے گھر میں ماتمی کیفیت اختیار کر لی۔

لوگ تعجب کے مارے سوچ رہے تھے کہ عبدالمطلب، عبداللہ کو ذبح کر دیں گے جو جوانانِ مکہ کی زینت اور قریش کی خوشبو ہے؟

○

اس چیخ و پکار کے ماحول میں عبدالمطلب اس بات پر آمادہ ہو گئے کہ وہ سردارانِ قریش کے ہمراہ "خیبر" کی بڑھیا کے پاس جائیں ـــــــ وہ شریف اور دانا خاتون تھی، مشکلات کے حل اور خیروں کے سلسلہ میں اس کی رائے بہت صائب شمار ہوتی۔

لوگ اپنے اونٹوں پر سوار مکہ سے نکل کر خیبر کی طرف چل کھڑے ہوئے ـــــــ سفر طویل تھا۔ جب وہاں پہنچے تو اس سے ساری رام کہانی بیان کی۔

اس نے ان سب کو دیکھا اور بہت ہی ہنسی ـــــ کہنے لگی۔

مسئلہ آسان ہے اور اس آزمائش سے عہدہ برآ ہونا مشکل نہیں۔

لوگوں نے پوچھا ـــــــ بڑی بی وہ کیسے؟

اس نے کہا:

"تم جانتے ہو کہ ہمارے جد بزرگوار ابراہیم (خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) نے اپنے صاحبزادے اسمٰعیل (علیہ السلام)

کے ذبح کا خواب دیکھا، اور جب اس کے ذبح کا عزم مصمم
کر لیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے ایک فربہ دنبے کی قربانی
کا حکم دے دیا۔ اور ابراہیم (علیہ السلام) نے ایسا ہی کیا جس
سے اسمٰعیل (علیہ السلام) نے نجات پالی۔"

یہ سن کر افرادِ قوم کے چہروں پر خوشی کے آثار ہویدا ہوئے، اُمید کی کرن پھوٹی اور سب بول اُٹھے۔

"بہت اچھا، بہت اچھا ـــ بڑی بی ـــ کیا ہم عبداللہ کے بدلے فربہ دنبہ ذبح کریں؟ اس نے کہا ـــ نہیں، میرا سوال یہ ہے۔ کہ جب تم میں سے کوئی شخص دوسرے کو قتل کرتا ہے ـــ تو وارثوں کو کس مقدار میں دیت دیتا ہے؟"

انھوں نے کہا، دس اونٹ۔

بڑھیا نے کہا:

"کہ دس اونٹ اور عبداللہ کے درمیان قرعہ اندازی کرو،
اگر قرعہ میں اونٹ نکل آئیں تو انہیں ذبح کردو اور یوں عبداللہ
بچ جائیں گے۔"

ایک صاحب نے کہا:

"اگر اس شکل میں قرعہ عبداللہ کے نام نکلا تو پھر ہم کیا کریں؟

بڑھیا نے کہا:

دس اونٹ بڑھا کر بار دگر قرعہ اندازی کرو۔

پھر بھی عبداللہ ہی کا نام نکلے تو تیسری بار دس اونٹ کا اضافہ کر کے قرعہ ڈالو اور اسی طرح دس دس کا اضافہ کر کے قرعہ ڈالتے رہو حتیٰ کہ قرعہ اونٹوں کے نام نکل آئے اور تمہارا فرزند اس مشکل مرحلہ سے نجات حاصل کرلے۔

*

قوم کے افراد اس حل سے مطمئن ہو کر مکّہ کو لوٹ آئے۔

اُدھر مکّہ کے لوگ انگاروں پر لوٹ کر بڑی ہی پریشانی سے ان کی واپسی کے منتظر تھے ــــ کبھی ان کے دل خوف کے مارے پریشان ہو جاتے تو کبھی اُمید کی کرن پھوٹ پڑتی، خواہش ان کی یہی تھی کہ جوانانِ مکّہ کی زینت ــــ عبداللہ ــــ نجات حاصل کر لے۔

قافلہ مکّہ کو پلٹ کر کعبۃ اللہ میں آیا اور عبداللہ اور اونٹوں کے درمیان قرعہ اندازی شروع کی دس دس کے اضافہ کے ساتھ تین مرتبہ قرعہ عبداللہ کے نام نکلا ــــ چوتھی بار پھر ایسا ہی ہوا ــــ حتیٰ کہ معاملہ سو کے عدد تک جا پہنچا اور پھر بار اونٹوں کے نام کا قرعہ نکلا۔

یہ خبر مکّہ میں دوش ہوا پر سوار ہو کر پھیل گئی، چار سُو خوشی اور مسرّت پھیل گئی لوگ گلیوں میں رقص کرنے لگے اور خوشی کے گیت گانے لگے ــــ ہر گھر میں خوشی اور مسرّت کا سماں تھا، اور غم کے بادل پھٹ چکے تھے۔ خواجہ عبدالمطلب نے یکبارگی سو اونٹ ذبح کرنے کا حکم دیا کئی رات دن تمام لوگ اس دعوت سے محظوظ ہوتے رہے اور اونٹوں کا باقی گوشت صحرا میں ڈال دیا گیا تاکہ پرندے اور درندے بھی استفادہ کر سکیں۔

۶

اہلِ مکّہ کی صبحیں اب اس طرح گزر رہی تھیں کہ وہ عبداللہ کی نجات پر عید کی سی خوشیاں منا رہے تھے۔ جب کہ عبدالمطلب کئی دن برابر کعبۃ اللہ میں مقیم رہ کر مختلف قبائل کے سرداروں اور قریش کے اکابر سے مبارک سلامت وصول کرتے رہے۔ انہی ایّام میں عبدالمطلب کے دل و دماغ میں خیالات کا ایک طوفان اُٹھتا رہا۔

وہ اپنے آپ سے گویا باتیں کرتے اور خود اپنے آپ سے سوال کرنے کہ عبداللہ

بچ گئے، اس میں کیا حکمت اور راز ہے؟

پھر خود ہی جواب بھی ذہن میں لے آتے کہ اس قصّہ میں ہمارے بزرگوار اسمٰعیل (علیہ السلام) کی قربانی سے بڑی مشابہت ہے ــــــ جن کے بدلے ان کے رب نے ایک فریہ دنبہ کی قربانی قبول کر لی ــــــ رب کریم کا بھی ارادہ تھا کہ اسمٰعیل (علیہ السلام) جبکہ اور قریش ان کی نسل سے پیدا ہوں، اور مکّہ اور کعبہ کی یہ حیثیت ہو جائے کہ لوگ ہر چہار طرف سے دیوانہ وار اس کی زیارت کو آئیں۔ پھر انہوں نے خود ہی بار دگر یہ سوال اُٹھایا کہ عبداللہ کے بچ جانے کی حکمت کیا ہے؟

ان کے ذہن میں آیا کہ ایسے معلوم ہوتا ہے کہ اس کو ذبح سے اس لیے بچایا گیا کہ اس سے ایک شریف و باوفا نسل پیدا ہو جو ملکوں امن و سلامتی کے موسم بہار کا باعث ہو۔ خواجہ عبدالمطلب کے دل پر یہ سوچ چھا گئی ــــــ اور انہوں نے عبداللہ کی شادی کا عزم کر لیا۔

سوچ و بچار کی اسی گھڑی میں "وہب بن عبدمناف" آ دھمکے، مقصد عبداللہ کے بچ جانے پر ہدیہ تبریک پیش کرنا تھا ــــــ ناگہانی ان کی نظر عبداللہ پر پڑی جو اپنے والد بزرگوار کے پہلو میں بیٹھے تھے "وہب" نے اس فرزند عزیز کو معانقہ میں لے کر اس کی پیشانی کو بوسہ دیا اور کہا:

"بیٹے تمہارا بچ جانا سبھی قریش کے لیے فرحت و خوشی کا باعث ہے تم جوانانِ قریش کی زینت ہو اور ان میں سب سے بڑھ کر پاکیزہ رو اور پاکیزہ خصال! تمہارے چرچے ہر طرف ہیں۔
تمہاری وجہ سے ہم بہت ہی روئے اور روتے ہی رہے یہاں تک کہ تمہاری خلاصی کا سامان ہو گیا۔ ــــ اور میرے

گھر میں تو ایک وہ ہے جو تمہارے لیے اس طرح روئی جس طرح ماں اپنے اکلوتے بچے کے لیے روتی ہے"

عبدالمطلب نے وہب کو دیکھا اور کہا:

"کہ وہ رونے والی تمہاری بیٹی آمنہ ہے؟

"لیکن آخر وہ کیوں روئی؟"

"کیا آمنہ بچپن میں عبداللہ کی ہم جولی نہیں رہی؟" جواب ملا۔

عبدالمطلب لمحہ بھر کے لیے خاموش ہو گئے۔ پھر سر اٹھایا اور کہا:

وہب! میں آمنہ بیٹی کے رشتہ کا خواہش مند ہوں کہ اپنے بیٹے عبداللہ سے اس کی شادی کر سکوں، وہب، خوشی سے اچھل پڑے اور فوراً کہا:

سر آنکھوں پر۔

یہ بڑی ہی سعادت کی بات ہے کہ میری بیٹی آمنہ عبداللہ کی زوجہ ہو۔ جو لوگوں کے لیے زینت اور سردار کا بیٹا ہے۔

○

عبدالمطلب نے قریش کے اکابر کو جمع کیا ــــ یہ سب وہب کے مکان پر گئے تاکہ "خِطبہ" (منگنی) کی رسم ہو سکے، اور رشتہ کی بات تکمیل کو پہنچ سکے۔

سبھی لوگ ہنسی خوشی وہب کے مکان میں جا پہنچے ــــ تو آمنہ نے محسوس کیا کہ اس کے "ابا" کے گھر خلافِ عادت بہت سے مہمان جمع ہیں۔ وہ بلند آواز سے باتیں کر رہے ہیں۔ تعریف و توصیف، اور مبارک سلامت کا غل اور شور ہے، اس کے دل میں خیالات کا طوفان اُمنڈ نے لگا اور اس نے جلد ہی سمجھ لیا کہ اس مجمع کی آمد کا تعلق میری ہی ذات سے ہے۔

ناگہانی آمنہ کے والد ــــ اُس کی والدہ "برّہ" (لفظی معنی نیکی) کے

پاس آئے، اُن کا چہرہ کھِلا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ مختصر بات کی —— اور پھر مہمانوں کے پاس چلے گئے۔

آمنہ نے ماں کے چہرے کو پڑھا تو اسے "نئی خبر" صاف نظر آنے لگی۔ ماں کے رُخسار خوشی و مسرّت کی وجہ سے دمک رہے تھے —— آمنہ ماں کے قریب گئی اور پوچھا:

امّی! کیا معاملہ ہے؟

ماں نے ہنستے ہوئے کہا:

"بیٹی، سعادت و خوش نصیبی ہمارے گھر میں داخل ہو گئی اور جلد ہی تیرے سر پر عظمت کا تاج ہوگا جو ہمیشہ ساتھ رہے گا۔"

باوجودیکہ آمنہ ان اشارات سے سمجھ گئی تھی کہ کوئی بہت ہی خیر کی خبر ہے۔ لیکن بات کی اصلیت سے ہنوز ناآشنا تھی، وہ معاملہ کی حقیقت کی طالب تھی، اُس نے بھر پور خوشی کے انداز میں کہا۔

امی —— پوری بات بتائیں —— میری پیاری امی، اللہ تعالیٰ آپ کا نگہبان ہو۔

○

ماں اس کی طرف متوجہ ہوئی، گلے لگا کر سرگوشی کے سے انداز میں بتلایا سردارِ مکّہ —— عبد المطلب۔ —— عبد اللہ کے لیے تمہارا رشتہ لینے آئے ہیں۔

آمنہ ماں کے سینہ سے چمٹ گئی اور اس مبارک خبر کی وجہ سے اس نے حد درجہ راحت محسوس کی، اسی گھڑی آمنہ کے قبیلہ کی خواتین مبارک سلامت کے تحائف کے ساتھ آ پہنچیں اور اس بابرکت رشتہ پر مبارک پیش کی۔

ایک نے کہا:

آمنہ ـــــ اللہ تعالیٰ نے تجھے ایسے جوان سے سرفراز اور کامیاب فرمایا جو مجسمہ طہارت و پاکیزگی ہے۔

دوسری نے کہا:

وہ خوبصورتی و رعنائی کی نعمت سے بھی مالا مال ہے۔

تیسری بولی:

مکہ کی ہر جواں سال بچی اس جوانِ رعنا کی خواہش رکھتی ہے۔

چوتھی گویا ہوئی:

شرفائے قریش کی کئی بچیوں نے بارہا راستوں میں اس کا سامنا کیا (کہ وہ ان پر توجہ کر سکے)

آمنہ، ماں کے کندھوں سے چمٹی سب سن رہی تھی اور اس کا دل بلیوں اُچھل رہا تھا۔ اس نے دل میں کہا:

آمنہ تو سب سے زیادہ خوش قسمت بیٹی ہے۔

O

آمنہ کا دل بچپن ہی سے عبداللہ میں اٹکا ہوا تھا ـــ بچپن سے ان کا خوب تعارف تھا اور برابر رشتۂ الفت بڑھتا رہا۔

جب وہ باپ کے گھر بٹھا دی گئی تو اس کے فکر و گمان کی دنیا محض ایک تھی ـــــ عبداللہ۔ جب عبداللہ کے والد، نذر پوری کرنے کی وجہ سے اس کے ذبح پر تل گئے تو آمنہ کا غم سے بُرا حال تھا۔ اُن دنوں اور راتوں میں اس کے آنسو خشک نہ ہوتے، اس کی آنکھوں میں نیند نہ تھی۔ وہ رات بھر نماز ادا کر کے اس کے لیے دُعائیں مانگتی کہ اللہ تعالیٰ اس آزمائش سے اُسے نجات دے جس نے خود اس کا امن غارت کر دیا ہے ـــــ خلوص کی دُعائیں رنگ لائیں، اس کے

آنسو خشک ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اسے امن و طمانیت سے سرفراز فرمایا ــــــ غمزدہ دل نے سکون پایا۔[لہ]

واہ! عبداللہ (یعنی اس کے والد) آج خود اس کے (آمنہ) کے گھر میں اس کا رشتہ مانگ رہے ہیں ــــــ سبحان اللہ کتنی خوش نصیب منگنی ہے، اور پیغام لانے والا کتنا شریف و معزز!

(۷)

وہ نیک گھڑی آگئی ــــــ جب عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کی شادی آمنہ سے کردی ــــــ خوشی و مسرت کے طبل بجنے لگے، لوگ خوشی میں جانور ذبح کرنے لگے، دعوتیں ہونے لگیں اور غربا میں عطیات بٹنے لگے۔

عرب کے دستور کے مطابق عبداللہ ــــــ اپنی اہلیہ کے گھر تین دن مقیم رہے پھر اس گھر میں منتقل ہو گئے جو اس سعید و نیک بخت جوڑے کے لیے تیار کیا گیا تھا۔

( )

یہ میاں بیوی اس مناسب قسم کے گھر میں ہنسی خوشی زندگی گزارتے رہے محبت و اخلاص باہمی ان کا وظیفہ حیات تھا، وہ ایک دوسرے کے لیے اخلاص اور مروت کا پیکر تھا، محبت، مودت اور بھلائی کے گل بوٹے برابر لہلہا

لہ اس معاشرہ میں بہت سے لوگ تھے جو فطرت کے مطابق اپنے رب سے اپنا تعلق استوار رکھتے اور کفر و شرک کی رسومات سے محفوظ تھے ــــــ نبی اُمّی علیہ السلام کے والدین انہی لوگوں میں سے تھے۔ (علوی)

رہے تھے۔

آمنہ اپنے شوہر نامدار کے چہرہ میں اور عبداللہ اپنی وفا شعار بیوی کے چہرہ میں سعادت کے آثار مشاہدہ کرتے پر ایک دوسرے کے لیے غمگسار تھے۔ اور انہیں دنیا میں ہر نعمت سے بڑھ کر ایک دوسرے کی زندگی کی نعمت مطلوب تھی۔ ایک رات آمنہ اپنے شوہر سے چمٹ کر رونے لگی۔

عبداللہ ہڑ بڑا اُٹھے اور پریشانی کے عالم میں کہنے لگے ——— خیر ہے روتی کیوں ہو؟

آمنہ نے کہا! دُکھ اور پریشانی کے دن جو تمہاری وجہ سے دیکھنے پڑے ان کی یاد نے مجھے اچانک رلا دیا۔

عبداللہ نے پوچھا کون سے ایّام؟

آمنہ روتے چلی جا رہی تھی ——— اس نے کہا۔

وہی دن جب موت تمہارے سر پر منڈلا رہی تھی ——— جب تمہارے والد اپنی نذر پوری کرنے کی غرض سے تمہیں ذبح کرنے پر مستعد تھے۔

عبداللہ نے اپنی بیوی کی زبان سے یہ بات سنی تو محبّت کے آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ نکلے، وہ مسکرائے۔ ان کی مسکراہٹ میں محبت و پیار کی چاشنی تھی۔ پھر آمنہ سے لپٹ کر شوق و اشتیاق کے عالم میں کہا۔

آمنہ! بیتے دنوں کو بھول جاؤ، انہیں یاد کر کے پریشان نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے نجات دی ——— شاید اس لیے کہ تمہارے پہلو میں حیات مستعار گزاروں، اور تمہارے ساتھ زندگی کی سعادت حاصل کروں ——— اب رونا کیسا؟

آمنہ نے کہا:

عبداللہ! یہ خوشی کا رونا تھا۔

کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک سو اونٹ کے بدلے ذبح ہونے

سے بچایا۔ جیسے اسمٰعیل علیہ السلام کو ایک ذبح عظیم کے ذریعہ نجات دی۔"

۸

میاں بیوی شادی کے بعد بہت پُر مسرّت زندگی گزار رہے تھے۔ ہر ایک دوسرے پر شوق و محبت کو نچھاور کرتا اور لطف و کرم کے ہدایا سے نوازتا وہ دونوں خیر و برکت اور سعادت کے ماحول میں جی رہے تھے۔ ایک شب آمنہ، عبداللہ سے مسرّت و خوشی کے عالم میں مصروف گفتگو تھی ـــــ اچانک سلسلہ کلام روک کر اس نے محبّت بھری آنکھوں سے اپنے شوہر کو دیکھا ـــــ اور کہا۔

"میری رپورٹ یہ ہے کہ مکّہ کی بعض شریف زادیاں تمہارا راستہ روکتی تھیں، اور اس بات کی خواہش مند کہ تم ان سے باتیں کرو؟"

عبداللہ مسکرا دیئے اور کہا ـــــ یہ صحیح ہے، لیکن ان میں سے سب سے زیادہ توجّہ کس کی تھی؟

آمنہ نے کہا:

"میری شنید ہے کہ "بنت نوفل"، تمہیں راستہ میں روک روک کر تم سے باتیں کرتی تھی؟

آخر وہ کہتی کیا تھی؟

عبداللہ نے کہا ـــــ یہ درست ہے، (بلکہ) اس نے ہماری شادی سے دو دن قبل میری راہ روکی اور کہا:

"عبداللہ ـــــ تم جانتے ہو کہ میں ایک شریف زادی اور خود بھی پاکیزہ خصال شریف ہوں، میں نے کہا، بالکل صحیح! وہ بولی

"مجھے تمہارے چہرہ میں نور کے فوارے اُبلتے نظر آ رہے ہیں، جو اس

بات کی غمازی کرتے ہیں کہ تمہاری نسل میں سے ایک "عظیم فرزند" پیدا ہونے والا ہے۔

میں نے کہا ـــــ بنت نوفل، اس کرم فرمائی کا شکریہ ـــــ لیکن آپ کی خواہش کیا ہے؟ اس نے صاف لفظوں میں شادی کی خواہش کا اظہار کیا تاکہ وہ اس "نورِ عظیم" سے سرفراز ہو سکے۔ لیکن میں نے اس سے کہا کہ میرے پدرِ بزرگوار میرے لیے "آمنہ بنت وہب" کا رشتہ مانگ چکے ہیں، اس پر اُس نے اپنا چہرہ غصّہ سے پھیر لیا، اور حسرت بھرے انداز میں کہا:

آمنہ اس "نورِ منور" سے کامیاب ہو گئی۔

آمنہ اتنی ہنسی کہ اس کے دانت کھل گئے اور کہنے لگی:

مکّہ کی گلیوں میں ملنے والی دوسری شریف زادیوں کی گفتگو بتلائیں۔

عبداللہ گویا ہوئے:

میں ایک دن غروب شمس کے بعد مکّہ کی ایک گلی میں تھا کہ مجھے "فاطمہ بنت مُرّ"، نے روکا۔ آمنہ نے بات کاٹ کر بلند آہنگ لہجہ میں کہا ـــــ

ہاں "فاطمہ بنت مُرّ"، (نے روکا؟) وہ تو مکّہ کی خوبصورت ترین اور شریف ترین عورت ہے۔

عبداللہ نے کہا، ہاں ـــــ بات ایسے ہی ہے، اصل عرب کہتے ہیں وہ تو دیوی ہے جو مستقبل کا چہرہ پڑھ لیتی ہے۔

آمنہ! تو فاطمہ نے آپ سے کیا کہا؟

عبداللہ نے کہا کہ اُس نے شادی کی پیش کش کی ـــــ لیکن میں نے کہا کہ:

میری منگنی تو آمنہ بنت وہب سے ہو چکی ہے۔

اس نے غیظ آلود انداز سے چہرہ پلٹ لیا اور کہا کہ :

"تمہارے چہرہ میں جو انوار ہیں انہیں آمنہ نے لوٹ لیا"

آمنہ نے پوچھا ——— اور کس سے پالا پڑا ؟

عبداللہ نے کہا "لیلیٰ عدویہ" ——— جو بہت ہی صاحب جمال اور اعلیٰ اخلاق کی مالک ہے ——— نے بھی شادی کی خواہش ظاہر کی، لیکن میں نے تم سے منگنی کا ذکر کیا تو وہ پلٹ گئی۔ لیکن زبان سے کچھ نہ کہا۔

آمنہ نے بڑے غور سے اپنے میاں کی باتیں سنیں پھر نگاہ بھر کر دیکھا تو اس کے میاں کے چہرے سے حسن و اُمید کی کرنیں پھُوٹ رہی تھیں ——— اور اس نے کہا :

عبداللہ ! ان باتوں میں کوئی تعجّب نہیں ——— (بلکہ ان میں سے ہر ایک نے جو کہا اس کا پس منظر ہے)۔"

عبداللہ نے پوچھا ——— کیسے ؟

آمنہ نے کہا :

"آپ جانتے ہیں کہ "بنت نوفل" ورقہ بن نوفل جیسے کتب سابقہ کے عالم کی بہن ہے ——— اور ورقہ نے اس اُمّت میں آنے والے نبی کی خبر دی ہے۔"

عبداللہ نے حیرت و تعجب سے کہا ——— یہ درست ہے (انہوں نے واقعی بتلایا)

اور میں یہ بھی جانتا ہوں کہ "فاطمہ بنت مُرّ" کہانت کی ماہر ہے ——— اور اہل عرب کا کہنا ہے کہ مستقبل کا چہرہ اس کی نظر میں رہتا ہے کہ کل کلاں کیا ہوگا۔

اس کے بعد میاں بیوی خاموش ہو گئے اور دونوں نے ایک دوسرے کو نظریں بھر کر دیکھا ـــــ اس دیکھنے میں مستقبل کے سنہرے خواب اور خوشی و مسرت جھلک رہی تھی۔

رات بہت کم گزری تھی ـــــ دونوں سو گئے۔ اس رات دونوں نے نیک بختی کا خواب دیکھا۔ صبح دم ـــــ آمنہ جاگی تو اس کا چہرہ خوشی سے کھل رہا تھا ـــــ اس نے اپنے میاں سے کہا۔ عبداللہ ـــــ شب کی گھڑیوں میں، میں نے بہت ہی عجیب خواب دیکھا۔

عبداللہ، کامل شوق کے ساتھ متوجہ ہو کر پوچھنے لگے ـــــ کیا؟ اللہ تعالیٰ خیر کرے۔ آمنہ نے کہا:

"میں نے دیکھا، میرے بطن سے نور کی کرنیں نکل کر ارد گرد کی دنیا کو منور کر رہی ہیں۔ ان کرنوں کی روشنی میں میں نے محلّات دیکھے اور باغات، ہر دو ایسے عجیب و غریب کہ ان سے دل بلیوں اچھل پڑیں اور سینے ٹھنڈک محسوس کریں ـــــ ساتھ ہی غیبی آواز سُنی، کہنے والا کہہ رہا تھا:

"تمہارے پیٹ میں اس امّت کا سردار ہے"

عبداللہ نے مسّرت کے ساتھ اپنی اہلیہ کو دیکھا وہ اس مبارک خواب سے بہت ہی خوش ہوئے تھے۔ (اس مرحلہ پر میاں کے خواب کا ذکر نہیں)

۹

شادی کے دسویں دن خواجہ عبدالمطلب اپنے بیٹے کے گھر آئے اور ان سے کہا:

عبداللہ! سفرِ تجارت کے لیے تیاری کر لو ـــــ قافلہ سوئے شام جا رہا ہے۔

آمنہ نے کمال درجہ ادب لیکن شوق کے عالم میں کہا ـــــ ابا حضور، کیسا سفر، ابھی تو ہم شادی کے ابتدائی ایام کی خوشیاں منا رہے ہیں۔

خواجہ عبدالمطلب نے کہا ـــــ بیٹی، یہ سفر تجارت ہے جو ہماری حیات دنیوی کے قیام کا سبب ہے۔

آمنہ نے عبداللہ کو دیکھا اور کہا ـــــ ابا حضور جو فرما رہے وہ صحیح ہے؟ آپ واقعی قافلہ کے ساتھ سفر کا ارادہ رکھتے ہیں؟

عبداللہ نے کہا ـــــ پیاری بیوی ـــــ ہاں، میں بہت جلد لوٹ کر آؤں گا۔ لیکن خالی ہاتھ نہیں بلکہ ڈھیروں مال، خوشبوؤں اور ہدایا کے ساتھ۔

آمنہ نے لجاجت کے ساتھ کہا ـــــ مجھے تنہا چھوڑ جاؤ گے؟ ابھی ہماری شادی پر چند دن ہی تو گذرے ہیں۔

عبداللہ! بی بی ـــــ صبر سے کام لو، محض ۲ دو ماہ کی بات ہے۔

آمنہ چلائی ـــــ دو ماہ ـــــ اُف میرے اللہ، میں ۲ دو ماہ تمہارے فراق میں کیوں کر صبر کر سکوں گی، حال یہ ہے کہ ابھی تو شادی کی مہندی بھی میرے ہاتھ سے غائب نہیں ہوئی۔

○

عبداللہ نے کہا:

"تمہاری جدائی میرے لیے بھی شاق ہے ـــــ اور میری خواہش یہ ہے کہ میں لمحہ بھر کے لیے بھی تم سے دُور نہ ہوں، لیکن ہمارے معاش کا سبب کسب و تجارت ہی تو ہے، اگر ہم یہ نہ کریں تو جئیں کیسے؟ اس لیے آمنہ صبر و حوصلہ سے کام لو میں بہت جلد اس طرح تمہاری طرف لوٹوں گا جس طرح پرندہ شوق و اشتیاق کے عالم میں اپنے گھونسلے میں آتا ہے۔"

آمنہ چپ ہو گئی ـــــــ لیکن رونے سے اس کا بُرا حال تھا۔

اسی اثنا میں سفر کی گھڑی آ گئی، ہر کوئی دوسرے سے اس طرح متعلق ہو گیا کہ گویا وہ جُدائی نہیں چاہتا۔ لیکن عبداللہ نے بڑی مشکل سے صبر کا مظاہرہ کیا، اس کا دِل غم سے آلودہ تھا۔ اور آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی، لیکن اس نے اپنی اہلیہ کے سامنے اس کا اظہار نہیں ہونے دیا۔

پھر میاں بیوی محبت و پیار سے اور عبداللہ غمزدہ دل سے گھر سے نکل کھڑے ہوئے۔

○

عبداللہ ـــــــ اپنی اہلیہ سے رخصت ہوئے تو وہ نیک بخت غش کھا کر زمین پر جا گری۔ اسے ان کی گھریلو خادمہ نے اُٹھا کر بستر پر لٹایا ـــــــ لیکن وہ اپنے وجود سے غافل تھی۔

آمنہ برابر بستر پر دراز رہی، وہ اُٹھ نہ سکی۔ عبداللہ کے معاملہ میں فکر و غم اور رونا دھونا اس کا مشغلہ تھا۔ وہ غم کی شدّت کی وجہ سے بہت ہی بیمار ہو گئی۔ اس کے خسر خواجہ عبدالمطلب اور والد "وہب بن عبد مناف" روزانہ اسے دیکھنے آتے ـــــــ اور اس کے قبیلہ کی خواتین بھی برابر آتیں تاکہ اپنے میاں سے جدائی کا عذاب اور بوجھ اس سے دُور ہو سکے۔

عبداللہ کی جُدائی پر ایک ماہ گزر گیا۔

ایک صبح آمنہ نے اپنی خادمہ "برکتہ" کو آواز دی اور کہا:

برکتہ! میں محسوس کرتی ہوں کہ میرے پیٹ میں بچہ ہے۔

برکتہ نے کہا، محترمہ ـــــــ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے۔

بی بی آمنہ نے کہا، لیکن ایامِ حمل میں عورتیں جس قسم کا درد اور بوجھ محسوس کرتی ہیں، اس سے میں محفوظ ہوں۔

برکتہ نے کہا ـــــــ کیا عجب کہ ہونے والا بچّہ صاحب برکت ہو؟
آمنہ نے کہا، میں نے خواب میں غیبی آواز سُنی ـــــ کہ اے آمنہ،
"تمہارے بطن میں اس امّت کا سردار ہے"
برکتہ نے کہا! محترمہ! یہ تو بڑی فضیلت اور برکت کی بات ہے!

۹

جب آمنہ کو اپنے حاملہ ہونے کا احساس ہوا تو اسے کسی قدر تسلّی ہوئی اور اس نے کچھ صبر و قرار اور راحت محسوس کی اور گویا گھر میں نئی زندگی پلٹ آئی ـــــ اب وہ دُور گئے مسافر کی واپسی کی منتظر تھی۔
عبداللہ کو گئے ہوئے ۴۰ دن ہو گئے ـــــ اس کا مطلب یہ ہے کہ اب واپسی میں بہت کم وقت باقی ہے۔
ان خیالات و تصوّرات کے ساتھ آمنہ اپنے آپ کو تسلّی دیتی رہی۔ کہ مستقبل کا محبُوب اس کے پیٹ میں ہے۔ اور جلد ہی خاوند لمبے سفر سے پلٹ آئیں گے۔

۱۰

تجارتی قافلوں کی واپسی مکّہ میں شروع ہو گئی۔
ہر قبیلہ کے افراد اپنے قافلہ کے لوگوں کا محبّت بھرے انداز سے استقبال کر رہے تھے۔
جب کہ آمنہ، عبداللہ کی واپسی کی منتظر تھی ـــــ لیکن سب آ گئے پر وہ نہ آئے۔
اب غم و اندوہ نے گھیر لیا۔ اور ایک بار پھر سابقہ حالت پلٹ آئی۔
ایک دن خواجہ عبدالمطلب تشریف لائے اور بتلایا کہ عبداللہ اپنے

ماموؤں کی ملاقات کے لیے مدینہ منورہ[1] چلے گئے ہیں ۔ عنقریب پلٹ آئیں گے مہینہ گزر گیا عبداللہ نہ آئے تو آمنہ کا غم بڑھ گیا ۔ اس کے رونے دھونے میں اضافہ ہو گیا، نیند اچاٹ ہو گئی ، وہ دن کی روشنی اور رات کی تاریکی میں عبداللہ کے نام کی تسبیح سے راحت محسوس کرتی ——— (باقی اب راحت نام کو نہ تھی) ادھر عبدالمطلب بھی اپنے فرزند عزیز کے غائب ہو جانے کے سبب غم زدہ اور پریشان رہنے لگے ۔ بالآخر انہوں نے اپنے فرزند جلیل "الحارث" کو مدینہ منورہ بھیجا ——— وہاں عبداللہ کی موت کا علم ہوا" الحارث "اس طرح لوٹے کہ ان کا دل غم سے بوجھل تھا ——— باپ (عبدالمطلب) نے دیکھا تو فوراً سمجھ گئے، اور آہ و بکا میں ڈوب گئے ۔

آمنہ کی خادمہ "برکتہ" اس وقت عبدالمطلب کے گھر تھی ۔ جب حارث یہ منحوس خبر لے کر آئے وہ روتی پیٹتی جلدی سے آمنہ کے پاس آئی ——— وہ عبداللہ کا ماتم کر رہی تھی ——— وہ خبر لائی تو خبر آمنہ پر برق بن کر گری ——— وہ غش کھا کر گر پڑی ، بہت دیر بعد اسے افاقہ ہوا ۔ ——— اس کے ارد گرد متاع گم گشتہ کے لیے ہنگامہ برپا تھا ۔

مکہ کی فضا ماتمی لباس پہن چکی تھی ، محافل ماتم چاروں طرف بپا تھیں ——— عبداللہ ، قریش کی زینت اور جوانی کا فخر چل بسا ——— آمنہ نہ ختم ہونے والے غم میں مبتلا تھی ۔ لیکن ایک احساس اس کے لیے صبر و تسلی کا باعث تھا کہ جس محبوب

---

[1] ہجرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل مدینہ منورہ کا نام ("یثرب" تھا یہ نام قرآن عزیز میں بھی ہے ۔ (دیکھیں الاحزاب آیت : ۱۳) ہجرت کے بعد اس کا نام "مدینۃ النبی" قرار پایا ——— اور اب "مدینہ" کا لفظ آتے ہی اس شہر مقدس کا تصور ذہنوں میں گھوم جاتا ہے ۔ رزقنا اللہ تعالیٰ زیارت بلد نبیہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ———
(علوی)

کو وہ کھو چکی ہے۔ اس کی نشانی اس کے بطن میں ہے۔

آمنہ کے حمل کا ساتواں مہینہ تھا ـــــ عبدالمطلب صبح دم بہو کے پاس آئے اور کہا:

بیٹی! مکہ سے نکل کر مصافاتی پہاڑ پر جانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔

آمنہ نے پوچھا ـــ ابا وہ کیوں؟

عبدالمطلب نے کہا:

"صنعا کا بادشاہ "ابرہہ الاشرم" بڑے لشکر کے ساتھ آدھمکا ہے۔ اس کے لشکر کا مقدمۃ الجیش (ابتدائی دستہ) ہاتھی ہیں ـــــ وہ مکہ میں داخل ہو کر کعبہ ڈھانے کا ارادہ رکھتا ہے"

آمنہ نے کہا ـــــ کعبہ، جس کو ابراہیم و اسمٰعیل (علیہما السلام) نے بنایا۔ اس کو ڈہانا چاہتا ہے۔

عبدالمطلب نے کہا ـــــ ہاں بیٹی۔

آمنہ نے کہا، ابا ڈر نہ کھایئے ـــــ کعبہ کا رب اس کی حفاظت کرے گا۔

عبدالمطلب نے کہا ـــــ لیکن بیٹی ابرہہ ظالم بادشاہ ہے۔ اور اس کے ساتھ مضبوط لشکر!

آمنہ نے کہا ـــــ وہ مکہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ اور یہ شہر ہمیشہ شہروں کا سردار رہے گا۔ اور عنقریب میرے بطن سے وہ پیدا ہوگا جو ظلم کو مٹائے گا اور چہار طرف نور و روشنی پھیلائے گا۔

عبدالمطلب نے تعجب سے پوچھا۔

آمنہ ـــ تم نے یہ کیسے پہچانا۔

آمنہ نے کہا ـــ جب سے مجھے حمل ہوا، مجھے برابر آواز آرہی ہے۔

"تیرے بطن میں انسانوں کا سردار ہے، تو اس اُمّت کا نبی جنے گی۔"

عبدالمطلب پلٹ گئے ——— وہ کہہ رہے تھے۔

اچھے خواب اور خوبصورت اُمیدیں!

مکہّ مکمل طور پر خالی ہو گیا۔ اس کے باشندے کعبہ میں پناہ گزین ہو گئے۔ وہ اپنے معبودوں سے ابرہہ اور اس کے لشکر کی بربادی کی فریاد کر رہے تھے۔ معبود تو کیا کرتے ——— لیکن سچّے معبود نے پرندوں کے غول بھیجے۔ جن کے پنجوں میں زہر میں بجھے ہوئے پتھروں کے ٹکڑے تھے ——— جو ابرہہ کے لشکر پر گرائے گئے۔ اس سے سارا لشکر اور خود ابرہہ بھی ہلاک ہو گئے اور مکہّ والے نیز کعبہ ہدم و بربادی سے بچ گئے۔

اہل مکہّ خوش تھے ——— اللہ تعالیٰ کی مدد سے نہال ——— اسی حال میں عبدالمطلب بی بی آمنہ کے پاس گئے ——— کہا۔

"بیٹی! اللہ تعالیٰ نے تیری دعا سن لی، تیری بات سچ قرار پائی کہ تو اس امت کے سردار کو اُٹھائے اور سنبھالے ہوئے ہے ——— جو امّت کو ظلم و سرکشی سے بچائے گا۔

آمنہ بیٹی ——— ہاتھی تو بس بیٹھ ہی گیا، اس نے حرکت ہی نہیں کی جب اس کے مالکان نے اسے لوہے کے گرز پیٹ میں مارے تب وہ اٹھا لیکن اس کے باوجود کعبہ کی طرف چلنے اور متوجّہ ہونے سے انکار کر دیا۔

اے آمنہ ——— تیرا ہونے والا عظیم بچّہ ہمارے لیے بشارتِ عظمیٰ ہے۔

۱۱

اصحابِ فیل شکست کھا گئے ـــــ اور آمنہ تھی کہ اپنے سعید بیٹے کی ولادت کی منتظر!

پیر کی شب ـــــ آمنہ نے محسوس کیا کہ بچہ پیٹ میں حرکت کر رہا ہے، اور وہ اب دنیا میں آنا چاہتا ہے ـــــ نیک بخت بی بی کسی قسم کے رنج والم کے بغیر اپنے بستر پر لیٹ گئی ـــــ اس کا احساس یہ تھا کہ نور کی کرنیں اس کو ہر چہار طرف سے گھیرے ہوئے ہیں اور بعض خواتین، سفید لباس میں ملبوس (نورانی مخلوق) پورے وقار و طمانیت کے ساتھ گھیرا ڈالے کھڑی ہیں۔

آمنہ کو تعجب ہوا ـــــ یہ سفید براق لباس میں ملبوس خواتین کون ہیں؟

یہ گویا فرشتے ہیں خوبصورتی، مہ جبینی اور پاکیزگی کے اعتبار سے!

آمنہ نے اپنے آپ سے سوال کیا، اس نے کسی کو ولادت کی خبر نہیں دی ـــــ گھر میں برکتہ نامی خادمہ کے سوا کوئی نہیں ـــــ تو پھر یہ عورتیں کون ہیں؟

چند ہی لمحوں بعد "مولودِ عزیز" تشریف لائے، جن کے چہرے پر آسمانی روشنی بکھر رہی تھی تو ہونٹ رضائے الٰہی کے زمزموں سے متبسم!

آمنہ نے اپنے چاروں طرف نظر دوڑائی تو اپنے صاحب برکت و سعید بیٹے کے سوا کسی کو نہ دیکھا ـــــ انہوں نے خادمہ سے پوچھا ـــــ تم نے سفید لباس میں ملبوس خواتین دیکھیں؟

برکتہ نے کہا ـــــ محترمہ نہیں! البتہ میں نے کمرہ میں سفید براق روشنی کا مشاہدہ کیا، جس میں ترانے اور گیت گائے جانے کی آواز سنی ـــــ اور جونہی ولادت ہوئی تو پھر نہ کچھ دیکھا نہ کچھ سُنا۔

آمنہ کی خوشیوں کی انتہا نہ تھی، مسرّتوں اور خیر و برکت کی امیدوں نے انہیں نہال کر دیا، اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟

کیا یہ بچّہ ان کے محبوب شوہر عبداللہ کا جگر گوشہ نہ تھا؟

پھر انہوں نے خواب میں یہ نہ سُنا تھا کہ:

"آمنہ تو انسانی برادری کے سردار اور اس امّت کے نبی کی حامل ہے؟"

عبدالمطلب تشریف لائے، بچّہ کو گود میں لیا، اس کے رخساروں پر بوسہ دیا، اور غایت درجہ پیار و محبّت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھا:

بیٹی! بچّے کا کیا نام تجویز کیا؟ آمنہ بی بی نے عرض کیا ——— "محمد" "جس کی سب سے زیادہ تعریف کی جائے"

عبدالمطلب نے تعجب کرتے ہوئے کہا ——— محمد ——— ایسے نام کا تو عرب میں رواج نہیں۔

آمنہ نے کہا ——— میں نے یہ نام تجویز کیا ——— غیبی آواز یہی تھی کہ: "تو محمد کو جنم دے گی"

عبدالمطلب معصوم بیٹے کو اٹھا کر لے گئے ——— کعبۃ اللہ کا طواف کیا۔ پھر عقیقہ کے طور پر اونٹ ذبح کئے۔ مکّہ میں خبر پھیلی تو چاروں طرف خوشیوں کے شادیانے بجنے لگے کہ "عبداللہ" کا فرزند ہوا ——— وہ عبداللہ جو سب کا محبوب تھا ——— جس نے سفر کیا، لیکن پھر لوٹ نہ سکا ——— وہ عبداللہ جو پاکیزگی و نجابت کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھا۔ اس کے کمالات کی حد تھی نہ اس کے حسن و جمال کی۔

○

ولادت کے ایک مہینہ بعد "حلیمہ سعدیہ" نامی دودھ پلانے والی خاتون کے

آپ کو سُپرد کیا گیا۔ وہ لے کر اپنی دیہاتی رہائش گاہ پر چلی گئیں تاکہ وہیں مدّتِ رضاعت پوری کی جائے۔ جیسے شرفاء قریش کی عادت تھی ـــــــ وہ اپنے بچّوں کو ایسی ہی عورتوں کے سُپرد کر دیتے تھے جو حجاز کے دیہاتی علاقہ میں قیام پذیر ہوتیں۔ کیوں کہ دیہاتی علاقہ کی آب و ہوا صاف تھی۔

آمنہ کے لیے یہ مرحلہ بہت مشکل تھا کہ اس کا فرزند اس سے دور ہو وہ گاہے بگاہے بیٹے کو دیکھنے تشریف لے جاتیں۔ دو سال بعد حلیمہ سعدیہ مدت رضاعت مکمّل کر کے ـــــــ محمد ـــ ـــ ـــ کو واپس لائیں تو آمنہ نے پوچھا:

میرے بیٹے محمد کو کیسا پایا؟

حلیمہ نے کہا ـــــ اپنی زندگی میں ایسا سعادت مند بچّہ نہ دیکھا، میرا گھر اس کے داخل ہوتے ہی برکات سے بھر گیا۔ حتیٰ کہ میری نعمتوں کے اضافہ کے سبب میرے پڑوسی حسد و رقابت کا شکار ہو گئے، میری بکریاں فربہ ہو گئیں، دودھ بڑھ گیا۔ میرے اونٹ نشو و نما پانے لگے۔ ان کی نسل میں اضافہ ہو گیا، میرا کمزور گدھا جس پر اس جانِ مادر سمیت آئی۔ ایسا تندرست و توانا ہوا جیسے اصیل عربی نسل کا گھوڑا۔

آمنہ مسکرائی ـــــ اور کہا بی بی حلیمہ۔

ایسا ہے تو مزید دو سال کے لیے محمد کو لے جاؤ تاکہ اس کی خوشبو (تمہارے یہاں) حدِ کمال کو پہنچ جائے۔

حلیمہ نے کہا، مجھے خطرات بہت محسوس ہوتے ہیں۔

آمنہ نے کہا! آپ کس چیز اور بات سے ڈرتی ہیں۔

حلیمہ نے کہا، محمد کو لوٹا کر لے جاتے میں ـــــ مجھے راستہ میں تین یہودی ملے۔ انہوں نے اس فرزند کا نام پوچھا ـــــ میں نے نام بتلانے سے انکار کر دیا۔ اور یوں ان سے نجات حاصل کی، لیکن میرا دل خوف زدہ ہے۔

آمنہ نے مسکراتے ہوئے کہا ——— جانِ مادر محمد کے سلسلہ میں خوف نہ کھائیں، اس کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے۔

۱۲

صاحبزادے میاں نے حلیمہ سعدیہ کے گھر دو سال مزید گذارے پھر اپنی امی کے پاس پلٹ آئے۔ آمنہ زندگی بسر کر رہی تھیں ——— اور محمد ان کے پہلو میں تھے۔ وہ اس بچہ کی پیشانی میں دنیا بھر کی نعمتوں کا ظہور دیکھ رہی تھیں اور خوبصورت اُمیدوں کا سہارا لیے بیٹھی تھیں ——— ساتھ ہی ساتھ اس کی یتیمی کے سبب غم و حزن بھی ان کے دل کا روگ تھا۔

ایک دن بچے نے ماں سے پوچھ لیا۔

امی ——— میرے ابو کہاں ہیں؟

اس سوال نے ماں کا دل زخمی کر دیا اور کلیجہ پھٹ گیا۔

لیکن انھوں نے ہمت کر کے جواب دیا۔

تمہارے ابو سفر میں ہیں ——— جانِ مادر۔

دوسرے ہی لمحہ بیٹے نے پھر سوال کیا ——— ماں نے جواب دیا، اور اپنا چہرہ ہاتھوں سے ڈھانپ لیا۔ اور آنسوؤں میں غرق ہو گئیں۔

بچے نے محسوس کیا کہ امی اس سے کوئی بڑی بات چھپا رہی ہیں، اس لیے سوال جواب کا قصہ ترک کر کے امی کے غم و حزن کو دُور کرنے میں لگ گئے۔

آمنہ پر اس لمحہ اپنے بچے کی سعادت کے مقابلہ میں غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑتے جب وہ ایک نظر دیکھ کر سوچتیں کہ یہ اس باپ کا ٹکڑا ہے۔ جو سفر پہ گیا۔ اور لوٹ کر نہ آیا۔

اب اس ماں کا بیٹا ہی اس کے لیے تسلی کا سامان تھا ——— اس کے غموں کو ڈھانپے ہوئے تھا۔ اور رہ گئے عبدالمطلب، تو ان سے بڑھ کر تسلی

دینے والا اور مخلص باپ کون تھا؟

آمنہ —— اپنے میاں کی یادوں میں کھو گئیں، ان پر ایک جنون طاری تھا کہ مدینہ جائیں اور اپنے شوہر نامدار کی قبر دیکھیں —— اس جگہ جہاں وہ اپنے ماموؤں کی زیارت کو جاکر موت کی وادی میں پہنچ گئے اور دفن ہو گئے —— ان کے ننھیال بنو نجّار تھے۔

ایک صبح آمنہ نے عبدالمطلب سے کہا:

ابا جان —— میرا عزم اپنے شوہر کی قبر کی زیارت کا ہے؟

عبدالمطلب نے کہا —— راستہ مشکل اور قبر دُور ہے، راستہ کی مشکلات و پریشانیوں سے ڈر لگتا ہے۔

آمنہ بولی —— عبداللہ کے لیے راستہ کی ہر تکلیف آسان ہے۔

پھر ایک صبح آمنہ شام کی طرف جانے والے تجارتی قافلہ کے ساتھ مدینہ کے راستہ میں تھیں، وہ ان کا فرزند اور خادمہ "برکتہ"، اونٹ کے کجاوے میں سوار "الحادی" نامی رہبر کی رہنمائی میں سفر کی منازل طے کر رہی تھیں —— مدینہ پہنچ کر عبداللہ کے ننھیال بنو نجّار کے مکانات میں اتریں اور برابر ۴۰ دن اپنے خاوند کی قبر سے لپٹ کر دل کا بوجھ ہلکا کیا اور جب اپنے حبیب مسافر کا حق لازم ادا کر چکیں تو مکہ واپسی کا عزم کیا۔

غم کی شدّت اور رونے کی کثرت سے آمنہ بہت کمزور تھیں، اس لیے صحرائی سفر کا تحمل ممکن نہ تھا، اس لیے انہیں شدید بخار نے آلیا، مرض بڑھ گیا، سواری پر سوار ہونے کی ہمّت نہ رہی تو قافلہ سے بچھڑ کر "الابواء" نامی قصبہ میں رُک

گیئیں ــــــ

برکتہ خادمہ ــــــــ تیمارداری میں مشغول رہیں اور قصبہ کی ایک بڑھیا اس مسافرہ کے لیے برکتہ کا ہاتھ بٹاتی رہیں ــــــ آمنہ کے چہرہ پر برائے نام گوشت رہ گیا (انتہا درجہ کی کمزوری) اور شدّت درد کے سبب صوف کے کپڑے سے سر کو باندھ دیا گیا۔

لیکن یہ سب تیمارداری اور علاج بیکار رہا، بخار بڑھ گیا، اور اب ہذیان کی کیفیت طاری ہو گئی کہ بات سمجھنا محال تھا۔

فرزند عزیز نے ماں کو دیکھا ــــــ جس پر بخار غالب تھا، تو بیٹا اپنا رونا ضبط نہ کر سکا۔

جانِ مادر کے رونے کی آواز کان میں پڑی تو مختصر وقفہ کے لیے آمنہ نے آنکھیں کھولیں۔ اور بچے کو پہلو میں لے کر بازوؤں سے بھینچا ــــــــ مبادا کمزوری سے جدا نہ ہو جائیں۔ بچہّ ماں کی گود میں تھا۔ لیکن بچے کا غم واندوہ اور کیفیت بیچارگی بڑھ رہی تھی ــــــ برکتہ چلاّئی اور واویلا کیا ــــــــ اسی آہ و بکا کے درمیان آمنہ نے آنکھیں بند کر لیں۔ وہ بازو جن سے بچہّ کو تھاما ہوا تھا، ڈھیلے پڑ گئے، اور آخری سانس رُخصت ہو گئی۔

تنہائی کے کربناک عالم میں ــــــــ اور لق و دق صحرائی ماحول میں برکتہ نے آمنہ کے وجودِ عنصری کے لیے قبر کا اہتمام کیا ــــــــ اس میں انہیں لٹا کر آنسوؤں ہی کا نذرانہ پیش کیا۔ پھر برکتہ ہی اس طفلِ یتیم کو لے کر مکہّ لوٹی اور اس امانت کو اس کے دادا ــــــ عبدالمطلب ــــــ کے سپرد کیا۔

اب عبدالمطلب ہی ــــــ محمد کریم ــــــ کے لیے شفیق والدہ، مہربان باپ اور غمگسار و وفاشعار دوست تھے!

○

سلسلہ اہل البیت (۲)

محمّد

سیّد المرسلین

خاتم النبیّین والمعصومین صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہ وسلّم

(۲۲)

نبوّت کی علامات

آمنہ ——— محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ فرماتی ہیں:

" جب میری شادی عبداللہ سے ہوئی تو وہ محض دس دن میرے پاس رہے، ١١ ویں دن تجارتی قافلوں کے ساتھ عازم شام ہو گئے "

عبداللہ کے سفر کے بعد ——— فجر کے وقت، عبداللہ کے پہلے جانے کے سبب غم واندوہ سے حال پتلا تھا کہ اسی دوران اچانک نیند آگئی ——— تھوڑی دیر کے لیے ——— کہ اچانک میرے بطن سے ایک نور ظاہر ہوا جو میرے سر پر چمکنے لگا، میرے اردگرد کی دنیا منور ہو گئی اور میں نے غیبی آواز سنی ——— کہا گیا۔

" تیرے پیٹ میں اس اُمّت کا سردار ہے "

میری خواہش تھی کہ کاش عبداللہ اس وقت میرے پاس ہوتے کہ میں انہیں یہ خوش خبری سناتی ——— وہ نہ تھے۔ اس لیے میں نے یہ خواب خواجہ عبدالمطلب کو بتلایا ——— انہوں نے کہا:

آمنہ اس خبر کو کسی کے سامنے ظاہر نہ کرنا۔

حضرت آمنہ کی خادمہ " برکتہ امّ ایمن کہتی ہیں۔

میں اپنی محترمہ سے مصروف گفتگو تھی اور ان کے میاں کے سفر کے ضمن میں انہیں تسلّی دے رہی تھی کہ بی بی آمنہ نے مجھے دیکھا اور کہا:

"اُمّ ایمن ــــ یقین ہے کہ میرا حمل قرار پا چکا ہے۔ لیکن مجھے کسی قسم کا بوجھ اور ثقل نہیں، جیسا کہ ان حالات میں عورتوں کو ہوتا ہے۔"

اور جب ذرا سی دیر کو مجھے نیند آئی تو کسی نے خواب میں مجھے کہا:

"کہ تیرے پیٹ میں اس امّت کا سردار ہے۔"

اُمّ ایمن بتلاؤ ــــ عبداللہ کب لوٹیں گے ــــ کب پلٹیں گے۔ کس گھڑی۔"

لیکن اُمّ ایمن کہتی ہیں کہ عبداللہ نہ لوٹے، سفر کے دوران بیماری نے انہیں گھیر لیا اور اپنے ننھیال ــــ بنو نجار کے یہاں مدینہ میں ان کا انتقال ہو گیا ــــ اس وقت عبداللہ ۱۸ برس اور آمنہ ۱۶ برس کی تھیں۔ موسم بہار کی ایک چاندنی رات کی صبح آمنہ جاگیں تو انہیں ایک طرح کا خوف لاحق تھا ــــ انہوں نے اپنی خادمہ کو بلایا اور کہا:

"ام ایمن ــــ مجھے مسلسل خواب آرہے ہیں، اور سبھی ایک طرح کے ہیں۔"

اس رات جو خواب آیا اس میں کہنے والے نے کہا:

وضع حمل کا وقت قریب ہے اور عنقریب آپ اس امّت کے سردار کو جنم دیں گی، اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ جب ولادت ہو تو آپ اس طرح کہیں:

"اس تو مولود کو ایک ذات پاک کی پناہ میں دیتی ہوں ــــ ہر حسد کرنے والے کے شر سے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں اس کا نام "محمد" رکھوں۔"

پیر کی شب ــــ طلوع سحر کے وقت آمنہ نے محسوس کیا کہ وقت ولادت اب سر پر ہے۔ لیکن وہاں محض امّ ایمن تھیں۔ تنہائی کے سبب خوف محسوس ہوا لیکن ایک روشنی نظر آئی جس نے کمرہ کو بقعہ نور بنا دیا۔ نیز یہ محسوس کیا کہ

سفید لباس میں ملبوس خواتین چارپائی پر بیٹھی ہیں ——— ایسے محسوس کیا کہ جیسے بعض خواتین خاندان کی ہوں ——— اس پر تعجب ہوا کہ ولادت کی خبر کیونکر ہوئی جب کہ انہوں نے کسی کو اطلاع نہیں دی۔

اور جب ولادت ہو گئی تو کمرہ میں کوئی نظر نہ آیا، اس لیے یقین ہو گیا کہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے فرشتے آئے تھے تاکہ تسلّی کا سامان ہو سکے اور تنہائی کا احساس نہ رہے اور امت عربیہ کے سردار اور نبی کی ولادت کے سلسلہ میں وہ گویا غم خواری و مدد کر سکیں۔

نُورِ مولد

کائنات کی سب سے حسین اور بابرکت صبح وہ تھی جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی۔

اس صبح فرشتوں نے دنیا سے کفر و سرکشی کے عہد کے مٹ جانے کی خوشی منائی اور جزیرۂ عرب میں امن و سلامتی کی نوید و بشارت دی ——— وہ جزیرۂ عرب جس کے باسی صدیوں سے کفر و شرک کے ماحول میں زندگی گزار رہے تھے۔

ایک بچہ مکہ میں پیدا ہوا ——— لیکن وہ عام بچوں جیسا نہ تھا ——— بلکہ وہ محبت و مودت اور پاکیزگی کا مجسمہ تھا۔ وہ ساری دنیا کے انسانوں کے رسول اور ان کی ہدایت، اصلاح اور ایمان کے لیے ہادی و رہنما۔

اس کی ماں ——— آمنہ ابو زہرہ کے شرفاء میں سے تھی۔ تو اس کے والد۔ عبداللہ اپنی قوم کے سردار اور قریش کا شرف تھے ———

عبداللہ ایسے تھے کہ لوگ اپنی مشکلات میں اپنی سواریوں کی باگیں اس کی طرف موڑتے اور اپنی حاجتوں میں داد رسی چاہتے۔

عبداللہ نے تجارتی قبائل کے ساتھ تجارت کے لیے شام کا سفر کیا

وہ واپسی سے قبل مدینہ میں اپنے ننھیال سے ملنے کا عزم رکھتے تھے۔ وہیں انہیں بیماری نے آلیا اور وہیں وہ جوارِ الٰہی میں چلے گئے ــــــ ان کے فرزند محمد اس وقت اپنی والدہ کے پیٹ میں چھ ماہ کے بچے تھے۔

محمد کریم کی پیدائش پر ان کے دادا بے حد خوش تھے ــــــ خواجہ عبدالمطلب نے بی بی آمنہ سے کہا:

"یہ لاڈلا بچہ اپنے باپ عبداللہ کے صدمہ کے ضمن میں ہمارے لیے تسلی کا سامان ہے۔

اس کے چہرے مہرے کو دیکھو ــــــ اپنے باپ سے کس قدر مشابہ ہے، اس فرزند سعید سے بڑھ کر حسن و جمال میں کوئی بچہ نہیں اور یہ چاند سا بچہ وقار اور سنجیدگی کے اعتبار سے مثالی ہے ــــــ گویا ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔

ایک صبح عبدالمطلب، بی بی آمنہ کے پاس آئے۔ بنو سعد کی معزز خاتون "حلیمہ" ان کے ہمراہ تھیں۔ خواجہ عبدالمطلب نے کہا:

"یہ شریف دیہاتی خاتون ایسی ہیں جن کا نسب بہت بلند ہے، یہ ہمارے بیٹے محمد کی "مرضعہ" بننا چاہتی ہے ــــــ دودھ پلانے والی۔

اور بچے کو لے جانا چاہتی ہے تاکہ وہ کھلی اور صاف دیہاتی فضا میں نشوونما پا سکے۔ حلیمہ بی بی نے بچے کو دیکھ کر کہا:

"یہ فرزند عزیز کتنا جمیل و خوبصورت اور کس قدر معصومیت کا مالک ہے صوف کے بستر پر آرام فرما ــــــ جس کے نیچے سبز ریشمی ٹکڑا بچھا تھا۔ وہ میٹھی نیند سو رہا ہے۔ لیکن اس سے

کستوری جیسی خوشبو آرہی ہے۔"

اس کا چہرہ مسکرا رہا ہے دراں حالیکہ وہ نیند میں ہے گویا وہ خوبصورت ترین خزینہ ہے۔ میں نے ہاتھ جونہی اس کے سینہ پر رکھا اس نے مسکراتے ہوئے آنکھیں کھولیں، آنکھوں میں نورانی چمک صاف ہویدا تھی۔ میں نے اس کی پیشانی کو بوسہ دے کر ہاتھوں میں لے لیا۔ اور دایاں پستان اس کے منہ میں ڈال دیا —— اس سے سیلِ رواں کی طرح دودھ نکلا۔ اور فرزند عزیز نے حسبِ منشا نوشِ جان کیا۔"

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں:

"میں مکہ میں ایک کمزور گدھے پر سوار ہو کر آئی، قریب تھا کہ وہ ضعف و کمزوری کی شدت کے سبب چلتے چلتے گر پڑے حتیٰ کہ میں اپنی ہم جولیوں سے پیچھے رہ گئی۔ محمد کریم کو لے کر جب اسی گدھے پر سوار ہوئی تو مشیت الٰہی سے وہ ایک توانا اور مضبوط نظر آنے لگا۔ گویا ایک تیز رفتار گھوڑا ہے۔ وہ ہمیں لے کر چلا اور دیہات سے آنے والی سب سواریوں سے آگے نکل گیا۔"

میرے رفقاء اور سہیلیوں نے کہا:

"حلیمہ! اس سواری کا کیا معاملہ ہے؟ جب تو یہ چلتا نہ تھا حتیٰ کہ تم ہم سے بہت پیچھے رہ گئیں۔ آج اس کا یہ حال ہے گویا ہوا ہے —— ہم سب سے آگے۔"

میرا خیال ہی نہیں یقین تھا کہ یہ اس فرزندِ سعید کی برکت ہے —— یہ الٰہی اور ملکوتی راز ہے۔ اور عالم بالا کی چیز ——

لو کان یتیماً لقتلناہ

"یتیم بچہ"

محمد کریم ـــــ کی دایہ، حلیمہ فرماتی ہیں:

"میں اپنے جیسی بہت سی دایوں سمیت مکہ آئی، انہوں نے صاحبِ مال خاندانوں کے بچے لے لیے۔ لیکن کوئی دایہ ـــــ محمد کریم ـــــ کو لینے کے لیے تیار نہ تھی کہ وہ یتیم تھے۔"

ان میں ایک کا کہنا تھا:

"اس بچہ کو لینے کا فائدہ ـــــ خود یتیم، ماں محتاج جب کہ میں تو دودھ پلا کر روزی کمانا چاہتی ہوں ـــــ پھر اس بچہ سے کیا فائدہ؟

جب سبھی دودھ پلانے والیوں نے اس یتیم فرزند کو لینے سے ہاتھ روک لیا تو میں نے سفر میں اپنے ساتھ موجود اپنے خاوند سے کہا:

"میں اسی بچہ کو لے کر جاؤں گی۔"

انہوں نے کہا:

"بہت اچھا ـــــ کیا عجب کہ اس میں ہمارے لیے خیر ہو۔"

سو میں محمد کو لے گئی ـــــ اس کے بعد میرا گھر برکتوں سے بھر گیا اور میری سہیلیاں مجھ پر رشک کرنے لگیں۔

یہودیوں کی کتابوں میں موجود ہے کہ جلد ہی محمد نامی بچہ حالت یتیمی میں مکہ میں پیدا ہوگا۔ وہ امت عرب کا نبی اور رسول ہوگا ـــــ محمد پیدا ہوئے تو یہود نے ان کی ولادت کو معلوم کر لیا، وہ ان کے متعلق سوچ بچار میں پڑ گئے اور اپنی کتابوں میں ان سے متعلق موجود خبروں پر بحث کرنے لگے۔

حلیمہ سعدیہ فرماتی ہیں:

"میں محمد کو لے کر اپنے گدھے پر سوار چل کھڑی ہوئی ـــ میرے میاں میرے ساتھ تھے۔ تو ہماری سواری سب پر سبقت لے گئی ـــ میں نے اپنے میاں سے کہا جو فرزند عزیز ہمارے ساتھ ہے وہ ایک الٰہی راز ہے۔"

راستہ میں یہود کی ایک جماعت سے ہمارا آمنا سامنا ہوا ہم نے انہیں اس بچہ کی وجہ سے حاصل ہونے والی برکات کا ذکر کیا۔ اور خواہش ظاہر کی کہ اس کے مستقبل سے متعلق کچھ بتلائیں۔

ان بدبختوں نے ایک دوسرے سے کہا ـــ اس کو قتل کر دو۔

حلیمہ چلائی ـــ تو ایک نے ان میں سے کہا:

"کیا یہ بچہ یتیم ہے؟ میں نے اپنے خاوند کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا نہیں ـــ یہ اس کے باپ اور میں اس کی ماں ہوں۔"

وہ کہنے لگے ـــ "اگر یہ یتیم ہوتا تو ہم قتل کر دیتے۔"

(گویا سیدہ حلیمہ نے دانائی کا مظاہرہ کیا ـــ یہ فضل الٰہی تھا)

O

معصوم محمد نے ۲ برس حلیمہ کے پاس گذارے ـــ دودھ کا سلسلہ منقطع ہونے پر حلیمہ انہیں والدہ کے پاس لے کر آئیں۔ امی جان نے محسوس کیا:

کہ موسم بہت سخت اور خراب ہے۔ اس لیے حلیمہ سے خواہش ظاہر کی کہ مزید اتنی ہی مدت کے لیے محمد کو ساتھ لے جائیں ـــــــ اس پر حلیمہ نے راستہ کی بیتی ہوئی کہانی اور یہود کی گفتگو کا ذکر کیا اور کہا ـــــ کہ مجھے ڈر ہے اور خوف کہ مبادا عزیز بچّہ کو کوئی نقصان پہنچے۔"

بی بی آمنہ نے کہا:

"حلیمہ گھبراؤ نہیں، اس فرزند عزیز کا اللہ تعالیٰ محافظ و نگہبان ہے۔ جب یہ لاڈلا پیدا ہوا اس کا سر آسمانوں کی طرف اُٹھا ہوا تھا۔"

حلیمہ کہتی ہیں:

"میں اس فرزند عزیز کو لے کر گھر کی طرف لوٹی تو آتنائے سفر حبشہ کے عیسائی حضرات سے پالا پڑا۔ انہوں نے بچہ کو دیکھا اور خوب غور کیا ـــــ پھر کہا:

ہم اس بچہ کو لے کر اپنے وطن جائیں گے ـــــ کہ اس کی حقیقی حیثیت سے ہم واقف ہیں ـــــ ان کی بات سن کر میں چلّائی، اس وقت میں اپنے بعض اعزّہ کے گھروں کے قریب تھی ـــــ میری چیخ و پکار سن کر میرے اعزّہ تلواریں لے کر آدھمکے اور انہوں نے مجھے بچایا۔"

بعد ازاں حلیمہ پانچ برس کی عمر میں ـــــ محمد ـــــ کو لے کر مکّہ آئیں۔ تو سیّدہ آمنہ نے اپنے فرزند عزیز کا جس والہانہ انداز میں استقبال کیا، اس کا تصوّر ممکن نہیں ـــــ یہی حال عبدالمطلب کا تھا، ان کے شوق و اشتیاق کی حالت دیدنی تھی ـــــ انہوں نے فرزند سعید و محبوب کو سر آنکھوں پر بٹھایا۔

پھر عبدالمطلب نے حلیمہ کی طرف توجّہ دی اور پوچھا:

"بی بی ـــــ تمہارے پاس محمد کے حالات کیسے رہے؟"

حلیمہ نے کہا:

"اس بچہ کی عجیب حالت تھی، اس کا معاملہ انوکھا تھا، جونہی محمد —— میرے گھر میں داخل ہوئے میرے گھر میں نعمتوں کا ہُن برسنے لگا اور خیرات و مبرات کی بہار آ گئی۔"

مزید کہا:

"کہ میرے پاس چند کمزور قسم کی بکریاں تھیں۔ وہ بہت کم مقدار میں دودھ دیتیں، اب وہ ایسی ہو گئیں کہ نہایت فربہ اور دودھ سے لبالب، خوب دودھ ملتا، پنیر بھی اور گھی بھی —— ایسی حالت میں نے اس سے قبل نہ دیکھی تھی۔"

حلیمہ لمحہ بھر رک کر گہرے فکر میں ڈوب گئیں اور پھر گویا ہوئیں:

لیکن ایک عجیب بات بچہ کے سلسلہ میں واقع ہوئی —— وہ ہمارے دیہاتی گھر میں تھا کہ ایک بات نے مجھے حیران کر دیا اور میں رات دن ایک گہری سوچ میں ڈوبی رہی۔"

عبدالمطلب نے پوچھا —— حلیمہ وہ خاص بات کیا ہے؟ —— حلیمہ نے کہا:

"ایک صبح محمد —— ہمارے قبیلہ کے بعض بچّوں کے ساتھ جنگل میں چہل قدمی کرنے کے لیے گئے کہ تین آدمیوں نے انہیں پکڑ لیا —— باقی بچے ڈر گئے اور بھاگ گئے۔ البتہ کچھ ان تینوں سے اُلجھ پڑے اور کہا کہ —— محمد —— کو چھوڑ دو —— یہ سردار قریش عبدالمطلب کا فرزند ہے لیکن ان تین آدمیوں نے کوئی بات نہ کی۔

پھر ان میں سے ایک نے محمد کا ہاتھ پکڑا اور آپ کے بطن مبارک کو شق کیا وہ اپنے ہاتھ کی انگوٹھی سے اس میں بہت ہی چمکنے والی

روشنی داخل کی۔

دوسرے نے سینہ چاک کر کے قلب مبارک کو نکالا اور اسے گویا زمین پر صاف کیا، تیسرے نے آپ کے بطن اور سینہ کو پونچھا پھر دل کو خوب صاف کر کے اس طرح اپنی جگہ فٹ کر دیا۔ پھر انہوں نے آپ سے پیار کیا، منہ سر چوما اور اسی حال میں چل دیئے۔"

اس مرحلہ پر عبدالمطلب پکار اُٹھے:

"یہ کوئی بہت ہی مشکل کام اور بڑا راز ہے۔"

سیدہ حلیمہ نے مزید کہا:

"جب مجھے اس بات کا علم ہوا تو میں بہت ہی گھبرائی اور مجھے ڈر محسوس ہونے لگا، میں اپنے بعض عزیزوں کے ہمراہ صحرا کی طرف گئی ——— ہم بہت ہی خوف و دہشت کا شکار تھے ——— ہماری نظر محمد پر پڑی وہ تنہا کھڑے تھے۔ ان کے چہرہ سے نور کا فوارہ اُبل رہا تھا اور ان کے گرد روشنی کا ہالہ تھا۔"

اس خبر پر آمنہ کو بہت تعجب ہوا ——— اور عبدالمطلب نے اللہ تعالیٰ کی کبریائی بیان کی اور کہا:

"وہ آسمانی فرشتے تھے ——— بے شک میرے محمد کی بڑی شان ہے۔"

○

آمنہ نے اپنے خاوند عبداللہ کی قبر کی زیارت کا پروگرام بنایا۔ ہمراہ بانو ننھے محمد تھے یا خادمہ "برکتہ"، مدینہ پہنچ کر قبر کی زیارت کی۔ چند دن وہاں قیام کیا ——— مکہ کو لوٹتے ہوئے راستہ میں انہیں بخار چمٹ گیا۔ جس نے شدت

اختیار کرلی ـــــ صحرائی راستہ میں کوئی ایسا نظم نہ تھا کہ اس ظالم بخار کا مداوا ہو سکتا۔ اس لیے آمنہ کی روح جوارِ الٰہی میں پہنچ گئی ـــــ اب محمد بھی ڈھیروں روئے اور خادمہ بھی ـــــ غم سے ان کا مال پتلا تھا، اسی حال میں ریتیلے علاقہ میں قبر کا اہتمام کرکے آنسوؤں کے ہدیہ کے ساتھ آمنہ کو سپردِ خاک کر دیا۔

اب محمد ـــــ صحیح یتیم تھے ـــــ نہ ان کے باپ تھے نہ ماں۔ اب ان کی عمر محض ۶ برس تھی۔

آمنہ کی وفات کی وجہ سے عبدالمطلب بہت ہی پریشان اور غمزدہ تھے سعادت مند بیٹے کے بعد اب بہو کا غم۔ انہوں نے اپنے ہی گھر میں محمد کو رکھ لیا، اور انہیں ایسی محبّت، پیار اور شفقت سے نوازا کہ باید وشاید؟ وہ ان کے لیے باپ تھے، ماں تھے اور دادا ـــــ سبھی کچھ ـــــ ان کی اولاد میں محمد جیسا مقام کسی کو میسّر نہ تھا۔ وہ محمد کو اپنے ساتھ کعبہ میں لے جاتے، اپنے قریب تر بٹھاتے، اپنی گود میں ان کو لے لیتے، جہاں آپ کھیلتے اُچھلتے، یہاں تک کہ قریش انہیں فرزند عبدالمطلب خیال کرتے ـــــ گویا حقیقی بیٹا ہے، پوتا نہیں اور یہ بچّہ انہیں ساری مخلوق سے بڑھ کر پیارا ہے۔

○

گردشِ لیل ونہار کے دامن میں محمد کے لیے ایک کے بعد دوسرا غم تھا، تو ایک یتیمی کے بعد دوسری ـــــ عبدالمطلب ۸۰ سال کے بزرگ تھے ـــــ بیمار ہو گئے جس نے بڑھ کر بستر کا کر دیا، محمد ۸ برس کے "بچے"، وہ اپنے دادا کا ساتھ نہ چھوڑتے۔ رات دن کا اکثر وقت وہ ہوتے اور دادا۔ بس سونے کے وقت مفارقت ہوتی اور بس۔ اور محمد چند گھڑیوں کے سوا گھر سے باہر نہ جاتے ـــــ مرض جوں جوں بڑھتا جاتا، عبدالمطلب، محمد کو سینہ سے لگاتے

چومتے اور پیار دیتے۔ ایک دن ابوطالب آئے تو عبدالمطلب بسترِ مرگ پر رو رہے تھے۔

ابوطالب نے کہا:

"ابّا ——— آپ سردارِ قریش اور آقا ہیں ——— پھر رونا کیسا؟۔

آپ تو عزم و ثبات کے پہاڑ ہیں، شجاعت و بہادری کے پیکر ——— پھر رونے کا سبب؟"

عبدالمطلب نے یتیم پوتے کا ذکر کیا، جس پر غم کا ایک اور پہاڑ ٹوٹنے والا تھا۔

ابوطالب نے کہا:

"ابّا۔ ——— محمد میرے بیٹے ہیں، کہ میرے سب سے عزیز بھائی اور جان سے زیادہ پیارے عبداللہ کی نشانی ہیں ——— پھر آپ کو کیا غم، ہم اپنی روحیں اس پر نچھاور کر دیں گے، یہ ہمیں سب سے بڑھ کر عزیز ہو گا۔"

عبدالمطلب نے ابوطالب کو قریب ہونے کا اشارہ کیا اور کہا غور سے سنو۔

ابوطالب نے قریب ہو کر عرض کیا ——— جی ابا، ارشاد، اطاعت ہو گی۔

عبدالمطلب نے کہا:

"میرے بعد انہیں اپنے گھر رکھنا، اپنی اولاد کی طرح، بلکہ حالات کا تقاضا ہے کہ سب سے بڑھ کر پیار سے نوازنا، شفقت و پیار میں کوتاہی نہ کرنا، یہ چچا کے ساتھ ساتھ باپ ماں اور دادا بن کر، یاد رکھنا ——— محمد کا بڑا مقام ہے جب

قریش اس سے اُلجھیں تو اس کا دفاع تمہارا فرض ہے، تم اس کے لیے مضبوط ڈھال اور مستحکم قلعہ کا کردار ادا کرنا، لڑائی میں اس کی مدد تمہارا فرض ہو گا، خبردار کہیں اس نورِ نظر کو تنہا چھوڑ دو یا دشمن کے سپرد کر دو ــــــــ اگرچہ اس راہ میں تم سب مارے جاؤ۔ ابو طالب ــــــ میری یہی وصیت ہے ــــ یہ کہا آنکھ موند لیں اور روح اپنے مالک کے سپرد کر دی۔"

(۴)

دادا کی وفات کے بعد ــــــ محمد ــــــ ابو طالب کے گھر میں رہنے لگے، ابو طالب محتاج انسان تھے۔ ان کی اولاد زیادہ تھی۔ اس کے باوجود انھوں نے آپکے ساتھ کمال درجہ محبّت و شفقت کا معاملہ کیا[۱]۔ انھوں نے پدری شفقت سے نوازا، اپنی اولاد سے بڑھ کر پیار کیا ــــــ آپ کی عمر اب آٹھ برس تھی۔ لیکن مزاج میں وقار و شرافت کے آثار ہویدا تھے، غور و فکر اور تدبر و سوچ کی عادت ابھی سے پڑ چکی تھی ــــــ یہ باتیں حسین اور عظیم مستقبل کا پتہ دیتیں۔

حضورِ اقدس اپنے چچا کی احتیاج کے سبب مختلف معاملات میں ان کا ہاتھ بٹاتے تاکہ ان کا معاشی بوجھ ہلکا ہو سکے۔ آپ نے چچا سے بکریاں چرانے کی اجازت حاصل کر لی۔ ــــــــ اور آپ حصول اجازت کے بعد سر سبز وادیوں اور صحراؤں میں بکریاں چرانے لگے۔ آپ کوشش فرماتے کہ انہیں گھنے جنگلات میں چرائیں جس کے نتیجہ میں بکریاں فربہ ہو گئیں، ان کا دودھ بڑھ گیا۔

---

[۱] تاہم اپنی بیٹی ام ہانی کا نکاح آپ کی خواہش کے باوصف آپ سے نہیں کیا۔ (علوی)

اور ان کی ولادت کا سلسلہ بند ہوگیا، نتیجہ یہ ہوگیا کہ چچا کے گھر میں دودھ اور مکھن وافر مقدار میں ہونے لگا ــــــ یہ اس فرزند سعید کی برکات میں سے ایک برکت تھی۔

○

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے ــــــ نبی محترم رسول مکرم، امام الرسل، خاتم الانبیاء و المعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

میں نے نبوت حاصل ہونے سے پہلے کسی نامناسب اور ناروا کام کا ارادہ نہیں کیا۔ ہاں دو مرتبہ اس کی نوبت آئی ــــــ لیکن میرے اللہ نے میری حفاظت کی، مجھے بچایا۔ پہلا یہ کہ میں مکہ کی پہاڑیوں پر بکریاں چرا رہا تھا ــــــ ایک نوجوان میرے ساتھ تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ آج کی رات (کئی کئی دن رات صحراؤں اور وادیوں میں رہنا ہوتا تھا) میری بکریوں کی نگہبانی کرنا تاکہ میں مکہ میں جاکر آج کی شب محفل وجد و سماع میں شرکت کر سکوں ــــــ جیسا کہ جوانانِ قریش کی عادت ہے۔

نوجوان نے حامی بھرلی ــــــ میں مکہ چلا گیا۔ پہاڑ سے اترتے ہی پہلے مکان سے دف و مزامیر کی آواز آئی ــــــ میں نے پوچھا یہاں کیا ہے؟

معلوم ہوا کہ فلاں مرد عورت کی شادی ہے۔ اس میں فلاں فلاں فنکار آئے ہیں ــــــ میں بیٹھ کر دیکھنے لگا لیکن فوراً ہی میری قوتِ سماعت بند کر دی گئی ــــــ اللہ تعالیٰ ہی نے ایسا کیا ــــــ اور آنکھوں پر نیند غالب آگئی ــــــ میں جاگا تو سورج چمک رہا تھا۔

بس پلٹ کر گیا تو نوجوان نے بیتی رات کی داستان سننا چاہی
بس نے کہا ہوا ہی کچھ نہیں ـــــ گئے، آ گئے۔ دوسری رات
ایسا ہی ہوا۔ غنا اور گانے کی محفل ـــــ بیٹھا ہی تھا کہ سماعت
کا وہی حال ہوا، اور آنکھیں نیند میں ڈوب گئیں ـــــ اللہ
تعالیٰ کی قسم مجھے سورج کی کرنوں ہی نے جگایا ـــــ میں
لوٹ کر اپنے رفیق کے پاس گیا اور اسے ساری بات بتلا دی۔
اس کے بعد کسی نامناسب محفل و مجلس کا کبھی خیال تک نہ آیا
تاآنکہ میرے رب نے رسالت کے ذریعہ مجھے عزت و تکریم
بخشی۔"

۵

کچھ اور بڑا ہو جانے کے بعد چچا کی خواہش پر بلادِ شام کا تجارتی سفر
ہوا ـــــ ابوطالب ہمرکاب و شریکِ سفر تھے۔ آپ نے تجارتی
مال سے اٹے ہوئے شام کے بازار دیکھے، تاجروں کے حالات کا جائزہ
لیا اور معاملات کے طریقوں کو جانا۔

ابوطالب نے محسوس کیا کہ اس کی دولت بڑھ رہی ہے، تجارت
ترقی پذیر ہے، حلقہ تجار میں اس کی محبوبیت میں اضافہ ہو رہا ہے، اب
سامان کی خریداری کے لیے وہ اس کی طرف توجہ کرتے ہیں، اللہ تعالےٰ
کی طرف سے فتحیاب ہو گیا۔ اس کے اور اس کی اولاد کے رزق میں برکت
اور اضافہ ہو گیا، اس کے معاشی حالات اچھے ہو گئے ـــــ اور بطفیل
محمد ـــــ خیر و برکت ظاہر ہونے لگی ـــــ یہ پاکباز اور امانت دار

نوجوان تھے ۔ آپ چچا کے گھر رہتے رہے حتیٰ کہ اب آپ بھرپور جوانی کی منزل میں داخل ہو چکے تھے ۔

○

مکہ میں ایک فائق احترام خاتون تھیں —— خدیجہ بنت خویلد —— رؤسا قریش میں سے ان کا شمار ہوتا اور اپنی قدر و منزلت کے سبب وہ بہت ہی بلند مقام کی مالک تھیں، پاکیزہ کردار و خصائل کی حامل یہ خاتون مکہ اور اہل مکہ کے درمیان اپنا منفرد مقام رکھتی تھیں ۔

پھر یہ کہ اس خاتون کے پاس بہت مادی دولت تھی —— شام و یمن تک تجارتی سلسلہ تھا، اُجرت پر لوگ ان سے کاروباری معاملہ کرتے یعنی لوگ ان کا مال شام و یمن لے جاتے اور یہ ان کی کارکردگی کے مطابق انہیں اجرت دیتیں ۔

خدیجہ طاہرہ نے محمد کریم کے حالات سنے —— تعجب ہوا کہ ایسا شخص؟ ایسی امانت، ایسی عفت و پاکیزگی؟

خیال کیا کہ انہیں اپنے تجارتی معاملات کا مالک بنا دیں —— چنانچہ پیغام بھیجا —— حضور اقدس نے سیدہ کی خواہش کے احترام میں سفر شام کا عزم کر لیا —— خدیجہ کے غلام "میسرہ" ہمراہ تھے تاکہ وہ سفر میں آپ کی خدمت کر سکیں ۔ اس سفر میں اور بھی بہت سے قافلے تھے جو قریشی حضرات پر مشتمل اور انہی کے مال لے کر جا رہے تھے ۔

○

آپ واپس تشریف لائے —— مال سب بک گیا، نفع بے انتہا ہوا۔ جسے دیکھ کر خدیجہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ اس قدر نفع؟

اس سے قبل اس مقدار میں تو کبھی نفع نہ ہوا تھا ——— اور لطف یہ کہ دوسرے اہل قافلہ سے نفع بھی دوگنا۔

○

واپسی پر اہلِ مکہ آپ کی کرامات و برکات سے متعلق چہ میگوئیاں کرنے لگے ——— سفر شدید گرمی کے موسم میں تھا۔ صحرائی راستے تھے اور مسافر سفر سے حد درجہ پریشان، حتیٰ کہ ان کے خوبرو چہرے سورج کی گرمی اور تمازت کے سبب سیاہ ہو گئے ——— لیکن محمد کریم کا چہرہ مطلق متاثر نہ ہوا۔

کچھ لوگوں نے کہا:

"ہمارے چہرے شدّتِ گرما سے جھُلس گئے۔ لیکن محمد کریم پر تو بادل سایہ فگن تھا۔

آپ جدھر چلتے وہ ٹکڑا ادھر ہی متوجہ ہو جاتا ——— گویا سورج کی گرمی سے آپ کو بچا رہا ہو"

بعض نے کہا:

"ہم نے بچشم خود بادل کا ٹکڑا دیکھا ہم نے محسوس کیا کہ ایک ٹکڑا بادل سے الگ ہو کر آتا ہے۔ اور ساتھ ساتھ چلتا ہے ——— بہر طور وہ ٹکڑا آنے جانے میں برابر ساتھ دیتا رہا جیسے آسمان نے آپ ہی کی طرف بھیجا ہو ——— تنہا آپ کے لیے دوسرے مسافروں کے لیے نہیں"

بادل کے ٹکڑا کی خبر مکہ میں پھیل گئی ——— قریش کے جوان، بوڑھے اور عورتیں زیارتِ مکہ کے دَوران اور اِدھر اُدھر مجامع میں اس پر بحث کرنے لگے خدیجہ نے خبر سنی تو اپنے خادم میسرہ سے پوچھا ——— یہ خبر صحیح ہے؟

اس نے کہا:

"آقائی — مجھے قسم ہے کہ مکہ سے نکلتے ہی بادل کے سایہ نے محمد کو گھیر لیا اور شام پہنچنے تک یہی ہوتا رہا — اسی طرح واپسی میں ہوا۔ بادل کا ٹکڑا آپ کے سر پر سایہ فگن تھا اس کی بے وفائی کا سوال نہ تھا، حرکت کے ساتھ حرکت اور رُکنے پر وہ بھی رک جاتا — ایسے جیسے اسے میخ سے گاڑ دیا گیا، ہو یا اسی سے لٹکا دیا گیا ہو۔ لیکن یہ معاملہ تنہا آپ ہی کے ساتھ تھا۔"

اب خدیجہ نے اس امانت دار اور پاکباز جوان کے معاملات میں سوچنا شروع کر دیا — اس نے جی ہی جی میں کہا یہ تو اللہ تعالیٰ کی ہی قدرت کا کرشمہ ہے۔ جس نے اس ٹکڑے کو اس جوان کے لیے مختص کیا۔ اور صحرائی سفر کی مشقت اور سورج کی گرمی سے بچایا — پھر یہ کہ اس سے قبل ایسا نفع نہ ہوا۔ اس جوانِ رعنا کی باتیں عام قریش کرتے ہیں — اس کی عقل، عفت، اور برائیوں سے اجتناب کی تعریف کرتے ہیں — اور یہ بھی کہ احمقوں کے مخصوص افعال سے وہ بلند ہے بہت ہی بلند — خدیجہ کے دل میں خواہش اُبھری کہ میرا اس سے نکاح ہو جائے۔

خدیجہ کی رغبت و خواہش پر آپ نے بھی غور کیا — چچا سے مشورہ کیا، اُنھوں نے نہ صرف مشورہ دیا۔ بلکہ برکت کی دعا — یوں ۲۵ سالہ محمد اور ۴۰ سالہ خدیجہ میں رشتہ ازدواج ہو گیا — خدیجہ آپ کے لیے بہت اچھی بیوی ثابت ہوئیں تو آپ ان کے لیے بہترین شوہر۔

٦

محمد کریم کعبۃ اللہ کا طواف کرتے، زیارت کرتے — کہ یہی تو پہلی مسجد تھی جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے بنائی گئی تھی۔ کبھی کبھار کعبہ کے پہلو میں

بیٹھ کر اس کا ماحول دیکھئے ـــــ اف کیسا دردناک ماحول تھا؟

پتھروں کی مورتیاں ـــــ جنہیں قریش معبود کہتے ـــــ ان پر نظر پڑی قریش ان کی تعظیم کرتے۔ ان کے سامنے جھکتے اور سجدہ کرتے، خوشی کے ایام میں جانور ذبح کرتے ـــــ یہ کام انہی کے اردگرد ہوتا، اس طرح ان سے مدد اور مغفرت کی درخواست کرتے۔

محمد کریم ـــــ اس مکروہ نظر سے دیکھتے، ان کا جی اس سے متلانے لگتا اور وہ ان معبودوں اور ان کے عابدوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ـــــ کہ یہ انسانی پستی؟

ایک نے ایک دن کہا:

"محمد کریم! آپ ہم سے دُور کیوں بیٹھتے ہیں، اور ہماری طرح ہمارے معبودوں کی تعظیم کیوں نہیں کرتے؟"

آپ نے فرمایا:

"یہ گونگے بہرے پتھر، انہیں میں طمانچہ رسید کروں، پاؤں سے ٹھوکر ماروں اور کسی اوزار سے پٹائی کروں ـــــ تو کیا ہوگا؟ یہ ذرا برابر حرکت نہ کر سکیں گے۔"

آپ کی ذاتِ اقدس قریش کی اس روش سے ـــــ کہ وہ پتھروں کی تعظیم کرتے ـــــ سخت پریشانی محسوس کرتی اور جوانانِ قریش جس طرح لذات اور شہوات میں غرق تھے ـــــ اس سے سخت رنجیدہ خاطر ہوتے۔ وہ ناہنجار شراب پیتے، جوا کھیلتے، سودی کاروبار کرنے اور کسی بھی فاحشہ اور بدکارہ کے پاس آنے جانے میں انہیں عار نہ تھی ـــــ اس لیے آپ خاموشی سے طواف کرتے، اور اپنی راہ چل نکلتے۔ قوم جس فساد و گمراہی کا شکار تھی، اس کے سبب اس سے میل جول کا سوال ہی نہ تھا۔

*

اب آپ کی توجّہ عبادت کی طرف بڑھ گئی۔ آسمان، زمین، پہاڑ، ستارے اور سیاروں میں غور و فکر شروع ہو گیا۔ آپ اپنی ذات سے متوجّہ ہو کر سوال کرنے ——— وہ کون ہے جس نے یہ سب کچھ پیدا کیا؟ وہ کون ہے جس نے کارخانہ تکوین ایجاد کیا اور ہر چیز کی تصویر و وجود کا اہتمام فرمایا؟ ———
قلبِ سلیم کا مالک محمد ——— جواب میں فرماتا:

"اس میں شک نہیں کہ وہ ذات ہی اصل خالق ہے جو شکر و عبادت کی مستحق ہے۔ وہ اس لائق ہے کہ اس کی تسبیح و تحمید کی جائے ——— اس طرح آپ برابر زمین و آسمان، بندوں اور ساری مخلوقات کے خالق کے متعلق سوچتے رہے۔"

وہ مکّہ اور اس سرزمین پر پھیلی ہوئی سرکشی اور فسادِ عقیدہ کے ماحول کو چھوڑ کر ایک پہاڑی سلسلے کی طرف چل کھڑے ہوتے، اس میں واقع ایک غار میں مقیم ہو جاتے ——— جس کا نام "حراء" ہے۔

کئی ہفتے اور کئی دن آپ وہیں مقیم رہتے، گھر لوٹنا نہ ہوتا۔ عالم کون اور اس کی تخلیق میں غور و فکر آپ کا محبوب مشغلہ تھا ——— یہی مشغلہ اللہ تعالیٰ کے سچے بندوں کا ہے ——— آپ اپنے خیالات کے سمندر میں غوطہ زن آسمان اور اس میں جگمگاتے ستاروں کو دیکھتے رہتے، نیز پہاڑوں پر نظر ہوتی اور پہاڑوں میں رعب و دبدبہ اور سکون کی جو کیفیت ہے۔ اس پر نگاہیں جمی رہتیں۔

اپنے افکار کی دنیا میں آپ مستغرق تھے کہ ایک آواز کان میں پڑی ——— نظر اٹھا کر دیکھا تو کچھ نہ تھا، لیکن آواز بار دگر سنائی دی، اب اضطراب بڑھا تو آسمان کی طرف دیکھا، ایک صاحب انسانی صورت میں یہ کہتے اتر رہے تھے:

"محمد! میں جبریل ہوں اور آپ اس امت کے رسول۔"

اور پھر جلدی سے جبرئیل اتر کر سامنے تھے ——— انہوں نے محمد کو معانقہ میں لے لیا اور کہا:

"پڑھیے! ـــــ آپ نے کہا! میں پڑھا ہوا نہیں، نہ ہی میں نے
سیکھا نہ قراءت سے آشنا ہوں۔"

بار دگر جبرئیل نے سینہ سے چمٹا کر یہی کہا ـــــ انہیں اب کی بار بھی یہی جواب ملا۔ ـــــ لیکن تیسری بار بڑی قوت سے معانقہ میں لے کر کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ، خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ، اِقْرَاْ وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ الَّذِیْ عَلَّمَ بِالْقَلَمِ عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ[1]

"اپنے رب کے نام سے پڑھیے جس نے سب کو پیدا کیا، انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، پڑھیے اور آپ کا رب سب سے بڑھ کر کرم کرنے والا ہے، جس نے قلم سے سکھایا، انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہ جانتا تھا۔"[2]

آپ نے پڑھا پھر جو نظر اٹھائی تو جبریل آسمانوں تک جا چکے تھے، آپ مضطرب ہو گئے، گھبراہٹ اور خوف مسلط ہو گیا۔ پلٹ کر گھر اہلیہ کے پاس گئے ـــــ رعب و دہشت سے حالت دگرگوں تھی ـــــ فرمایا:

"مجھے چادر اڑھا دو، مجھے چادر اڑھا دو ـــــ اہلیہ نے ایسا ہی کیا۔ تھوڑی دیر کے لیے آرام کے بعد طبیعت بحال ہوئی تو اہلیہ کو ساری تفصیل بتائی۔ وہ آپ کو لے کر ایک صاحب علم ـــــ ورقہ بن نوفل ـــــ کے پاس گئیں۔ اور غارِ حرا میں جو پیش آیا وہ بیان کیا۔

ورقہ نے تعجب سے کہا ـــــ "محمد! خوش خبری ہو، یہ وہ وحی ہے جو آپ سے پہلے سیدنا موسیٰؑ اور سیدنا عیسیٰؑ پر اتر چکی ہے۔ آپ اس امت کے لیے رسول و نبی ہوں گے ـــــ آپ کے لیے ہدیہ تہنیت اور اس امت

---

[1] العلق: ۱ تا ۵

[2] مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ۔

کیلیے بشارت ہو" بعدازاں جبرئیل کرنا بعد مرۃ آتنے رہے تاکہ اس نئے دین کی تعلیمات سے آپ کو واقف کرا سکیں ـــــ جس کی بنیادی چیز یہ ہے کہ ـــــ عبادت کا حق اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جو تکوینیات کا خالق اور کائنات کا تدبر کنندہ ہے "وہ ہر قسم کے شریک سے پاک ہے، اس کی مملکت وملکیت میں کوئی ساجھی نہیں" ـــــ ابتداً اسی کی دعوت دینا ہے۔ اس گھڑی سے آپ نبوت سے سرفراز ہو گئے۔ اب آپ کا کام اس قوم کو راہِ حق کی دعوت دینا تھا۔ اور انہیں اندھیروں سے نکال کر دینِ اسلام کی روشنی میں لانا تھا۔

سب سے پہلے آپ کے دستِ حق پرست پر آپ کی اہلیہ خدیجہ نے اسلام قبول کیا ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ـــــ انہوں نے شہادت وگواہی دی کہ:

"اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود والٰہ نہیں اور محمد ـــــ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں" (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم)

پھر ننھے علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دامنِ اقدس سے وابستگی اختیار کی ـــــ وہ مستقلاً آپ ہی کے گھر میں آپ کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے، اسی طرح نبی مکرم کے خادم زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مسلمان ہو کر نہال ہو گئے۔ گھر کی چار دیواری سے باہر اپنی دعوت کی بشارت اور اس کے پھیلاؤ کی ابتدا ـــــ حضرت ابوبکر عبداللہ بن ابی قحافہ سے کی ـــــ وہ شرفاء قریش میں سے تھے۔ ان کا سماجی مرتبہ بہت بلند اور اللہ تعالیٰ کا دیا ہوا مال ان کے پاس بہت تھا ـــــ پیغمبر امّی نے ابوبکر کو قرآن سنایا ـــــ وہ خوشی ومسرت سے جھوم اُٹھے اور کہا:

"محمد ـــــ میرے ماں باپ آپ پر قربان، آپ تو صادق اور امین ہیں ـــــ اور کلمہ اسلام پڑھ لیا ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم اجمعین"

حضرت ابوبکر کا اسلام ـــــ پیغمبر اسلام کے لیے بڑی قوت تھی ـــــ

جو اسلام کی دعوت میں بڑی کام آئی ۔ اور اس دعوت کے علانیہ پھیلاؤ میں ابوبکرؓ کا عزم وثبات اور ان کا ایمان بڑا ممد ومعاون ثابت ہوا ۔

سیدنا ابوبکرؓ نے اپنے ہی گھر میں ایک مسجد بنالی ـــــ وہ وہاں ان عزیزان باصفا کا خیر مقدم کرتے جو مسلمان ہو جاتے ـــــ اس مسجد میں آپ تلاوتِ قرآن کرتے ـــــ اور احباب کو نبوی تعلیم سے آگاہ فرماتے ۔

اُن کی دعوت اور کاوشوں سے اسلام میں سبقت کی سعادت ان حضرات کو حاصل ہوئی :

"عثمان بن عفان قرشی الاموی ـــــ سعد بن ابی وقاص ـــــ بلال بن رباحؓ ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ـــــ آخر الذکر ایک مکی مشرک کے غلام تھے ۔"

حضرت عثمانؓ کے اسلام قبول کرنے پر ان کے گھر والے ان پر بگڑ گئے، ان کے چچا نے انہیں قید کر دیا اور لوہے کی بیڑی ڈال دی ، اور ایک تاریک مکان میں محبوس کر دیا اور کہا :

"تمہاری جان خلاصی جب ہوگی جب تم محمد ـــــ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ـــــ کے دین کو چھوڑ کر باپ دادا کے طور طریقوں کی طرف پلٹ آؤ گے ۔"

سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چچا سے کہا :

"چچا ـــــ مجھے اللہ تعالیٰ کی قسم ہے ـــــ ایسا ہرگز نہ ہوگا ، یہ دین ایک نور ہے جو تاریکیوں کے پردے چاک کرتا ہے دین اسلام و محمد چھوڑنے کا سوال ہی نہیں ، گو اس قید میں موت آجائے ۔"

چچا نے آپ کے اصرار اور عزم وثبات کو دیکھا تو انہیں آزاد کر دیا اور بیڑیاں کھول دیں ۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں :

"جونہی میں دین اسلام میں داخل ہوا ــــــ میری امّی غضبناک ہوگئیں اور قسم کھالی کہ کھانا نہ کھائیں گی تاوقتیکہ تم اسلام سے پلٹ نہ آؤ ــــــ اس پر ابھی ہفتہ بھر ہی گذرا تھا کہ کھانا نہ کھانے کے سبب ان پر غشی اور ضعف طاری ہوگیا"

میں نے کہا:

"امّی ــــــ اپنے معاملہ میں آپ جو جی چاہیں کریں۔ میں اسلام تو نہ چھوڑوں گا ــــــ ہرگز نہیں ــــــ یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کی خوشیوں کے لیے میں اپنے رب کی نافرمانی کروں"

رہ گئے بلال ــــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ــــــ تو وہ اِن لوگوں میں سے ہیں۔ جنہوں نے اسلام کی خاطر شدید مصائب برداشت کئے۔ وہ ایک مکّی کافر کے زر خرید غلام تھے ــــــ اسلام قبول کیا تو اس نے دردناک عذاب و تکلیف میں مبتلا کر دیا ــــــ دن بھر ننگے صحرا میں ڈال دیتا ــــــ سورج کی مشتعل اور خوفناک کرنیں بھسم کر ڈالتیں، اور کبھی گلے میں رسی ڈال کر شریر بچّوں کے سپرد کر دیتا جو گھسیٹتے پھرتے، حتیٰ کہ گردن سے خون جاری ہو جاتا، کبھی کپڑے اتروا کر صحرا کی ریت پر لٹا کر چھاتی پر بھاری پتھر ڈال دیتا ــــــ اور کہتا:

"تیرا یہی حال رہے گا تا آنکہ تو دین اسلام و محمد کو چھوڑ دے اور ہماری طرح ہمارے معبودوں کی عبادت کرنے لگے۔ لیکن بلال نے ہر ستم برداشت کیا۔ اور ہر سختی جھیلی پر اسلام پر ثابت قدم رہا یہاں تک کہ سیّدنا ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے ظالم آقا سے خرید کر عذاب سے گلو خلاصی کا اہتمام کیا ــــــ اور پھر آزاد کر دیا ــــــ یوں بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو "سابقین فی الاسلام" کی سعادت میسّر آئی ــــــ اور آیندہ چل کر وہ رسولِ معظّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے مؤذن قرار پائے ــــــ

رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعنہم اجمعین۔"

وسقط الحجر من یدی

اور میرے ہاتھ سے پتھر گر گیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفقاء سمیت کعبۃ اللہ میں تشریف لے جاتے طواف فرماتے اور نماز ادا فرماتے۔ مشرکین مکہ انہیں دیکھتے تو تمسخر اڑانے اور مذاق میں کہتے:

"یہ ہیں اس دھرتی کے بادشاہ، جن سے محمد نے جنّت، اس کے محلّات اور حُور و غلمان کا وعدہ کر رکھا ہے۔"

اسی دوران ابو جہل کھڑا ہوا ——— چلّایا اور کہا:

"مجھے میرے معبودوں کی قسم ——— میں عنقریب محمد کو پتھر مار کر قتل کر گزروں گا۔ اور یہ ایسے حال میں کروں گا۔ جب وہ سجدہ میں ہوں گے۔"

اگلے ہی دن محمد کریم علیہ السلام مسجد میں تشریف لائے، ایک کونہ میں نماز میں مصروف ہو گئے ——— اُدھر ابو جہل بھی آ گیا۔ اس کے ہاتھ میں پتھر تھا ——— بہت بڑا، وہ آپ کے قریب ہوا تو اس کا دل دہل کر رہ گیا۔ خوف اس پر غالب آ گیا، ہاتھ لرز گئے اور پتھر گر گیا ——— شرمندگی کے عالم میں وہ واپس آیا تو اس کی قوم نے اس کا مذاق اڑایا۔

ایک نے کہا! ابو جہل! تمہاری شجاعت و بہادری کا کیا ہوا؟

اس نے کہا:

"میں جونہی محمد کے قریب ہوا میں نے ایک تنو مند اونٹ دیکھا جو بالکل محمد کے ساتھ تھا۔ اس نے اپنی گردن میری طرف بڑھائی کہ مجھے کچل ڈالے ——— اس کیفیت سے میرے ہاتھ لرزہ براندام ہو گئے۔ اور ان سے پتھر گر گیا۔"

بعض کافروں نے تمسخر آمیز انداز میں ابو جہل سے کہا :

"ابو جہل ! محمد کے پہلو میں ہم نے نہ تو کوئی اونٹ دیکھا نہ اونٹنی ۔"

ابو جہل نے کہا : لیکن میں نے بچشمِ سر خود دیکھا ہے ـــــــ وہ تنومند اور خوفناک اونٹ تھا۔ اس نے اپنی گردن میری طرف بڑھائی کہ مجھے اپنے جبڑوں میں لے کر کچل ڈالے ـــــــ میں بھاگ کھڑا ہوا ـــــــ ـــــــ اے میری قوم ! بتلاؤ یہ کیا ہے ؟ آیا محمد کا جادو ہے یا اس کا معجزہ ؟

○

کثرت سے لوگ اسلام میں داخل ہو رہے تھے ۔ اور یہ بات اہلِ مکہ پر شاق تھی، انہیں اس بات کا ڈر تھا کہ محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام) اس نئے دین کے ذریعے ان پر غالب آجائیں گے ـــــــ انہوں نے احتیاطی تدابیر کے لیے سوچ بچار کی غرض سے اجتماع کا اہتمام کیا ـــــــ ابو جہل نے ایجنڈے پر گفتگو کرتے ہوئے کہا :

"برادرانِ قریش ! محمد (علیہ الصلوٰۃ والتسلیم) کے رفقاء دن بدن بڑھ رہے ہیں ـــــــ ہر روز کوئی نہ کوئی نیا آدمی دینِ اسلام میں داخل ہو رہا ہے ـــــــ اگر ہم یونہی خاموش بیٹھے رہے تو محمد کے پیروکار بڑھ جائیں گے ۔ اور ہماری جماعت کم ہو جائے گی اور ہمارے اور ہمارے آباؤ اجداد کا "دین" ضائع ہو جائے گا۔ پس لازم ہے کہ ہمت کر کے آگے بڑھو اور اس شخص کو قتل کر کے اپنی طمانیت کا سامان فراہم کرو اور اپنے معبودوں کو مسلمانوں سے بچاؤ ۔"

ایک قریشی نے ابو جہل کی تقریر پہ کہا :

"کہ ہم اسے کس طرح قتل کر سکتے ہیں ـــــ اس کا چچا ابو طالب اس کا حامی و مددگار رہا ہے؟"

دوسرے نے کہا:

"ابو طالب نے کون سا اسلام قبول کر لیا ہے، وہ ہے تو ہمارے ہی دین پر، اور مجھے یقین ہے کہ وہ اپنے اور اپنے آباء کے دین ـــــ صنم پرستی ـــــ کے لیے بہر حال حریص و خواہش مند ہو گا۔"

تیسرے نے کہا:

"بہتر ہے کہ ہم ابو طالب سے مل کر یہ معاملہ اس کے گوش گزار کریں۔"

چنانچہ سادات قریش کا ایک وفد ابو طالب کے پاس گیا اور اس نے کہا:

"ابو طالب! ہم تمہاری زیارت کے لیے نہیں آئے، بلکہ ہم تمہارے بھتیجے ـــــ محمد ـــــ کے بارے میں بات کرنے آئے ہیں ـــــ وہ نئے دین کا علمبردار ہے جو ہمارے اور ہمارے آباؤ اجداد کے دین کا مخالف ہے ـــــ بہت سے قریش اس نئے دین میں داخل ہو گئے، ہمارا دین تو اس طرح فنا ہو جائے گا۔

اگر اس معاملہ سے محمد کا مقصد مال بٹورنا ہے تو ہم دینے کو تیار ہیں۔ اور وہ اگر ریاست و حکمرانی کا خواہش مند ہے تو اس کے لیے بھی حاضر ہیں۔ آپ اس سے کہیئے کہ اس معاملہ کو چھوڑ دے اور اس سے باز آجائے! اور آپ اسے نصیحت کریں وہ یقیناً آپ کی نصیحت سنے گا، آخر آپ اس کے چچا ہیں۔ ممکن نہیں کہ وہ آپ کی بات کو نظر انداز کرے۔"

ابوطالب قریش اور اپنے بھتیجے محمد کے معاملہ میں بہت ہی حیرانی کا شکار تھے ـــــ ایک دن انہوں نے محمد علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو بلایا اور کہا:

"جانِ عزیز! قریش غیظ و غضب کا شکار ہیں، وہ تمہاری خواہش پر مال ـــــ ڈھیروں کے حساب ـــــ سے دینے کو تیار ہیں۔ اور ملکی قیادت و سیادت تمہارے سپرد کرنے پر بھی راضی ـــــ اگر تم چاہو، وہ مجھ سے یہ خواہش رکھتے ہیں کہ تم نئے دین کی دعوت ترک کر کے پرانی دنیا میں آ جاؤ ـــــ اس کام کو ترک کر دو۔

محمد! تم یہ بات اچھی طرح سمجھ لو کہ ہم میں قریش سے دشمنی کی طاقت نہیں ـــــ وہ بہرطور ہمارے قبیلہ و خاندان کے لوگ ہیں ـــــ پھر وہ ہم سے تعداد میں زیادہ، مالی اعتبار سے بڑھ کر اور اثر و رسوخ میں کہیں آگے ہیں"

محمد کریم صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ نے ـــــ گم کردہ راہ چچا جس نے بعد میں بھی اسلام قبول نہیں کیا ـــــ کی زبان سے یہ باتیں سنیں تو آپ کو شدید صدمہ ہوا ـــــ آپ نے اپنے جی میں کہا:

"کیا یہی وہ میرا چچا ہے ـــــ جسے میرے دادا خواجہ عبدالمطلب نے میرے بارہ میں وصیت کی تھی؟ اس شخص نے دادا کے سامنے گلا پھاڑ کر کہا تھا کہ وہ اپنے مال، زندگی اور سبھی کچھ کو داؤ پر لگا کر میری حمایت کریں گے۔ اور میرا دفاع کریں گے۔

پھر کیا ہوا؟ آج کیا دیکھا جا رہا ہے؟ میرے چچا کا گمان ہے کہ میں دنیا کے ٹھیکروں یا سیادت و قیادت کا متمنی ہوں ـــــ؟ اللہ تعالیٰ کی قسم ـــــ جو میرا رب ہے، ایسا

ہرگز نہیں ـــــ میری نظر میں مال و متاعِ دُنیا اور سیادت و قیادت کی بال برابر اہمیت نہیں "

پھر آپ چچا کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

"چچا! اللہ تعالیٰ کی قسم، وہ لوگ میرے داہنے ہاتھ میں سورج رکھ دیں، اور بائیں میں چاند! اس شرط پر کہ میں دین چھوڑ دوں ـــــ یہ ممکن نہیں کارگاہِ حیات میں یہ جدّ و جہد جاری رہے گی تاوقتیکہ اللہ تعالیٰ اس دین کو غالب کردے گو کہ اس راہ میں میرا سب کچھ ختم ہو جائے"!

پیغمبر محترم نے یہ باتیں ایسے عزم و حوصلہ اور ایمانی قوّت کے ساتھ ارشاد فرمائیں کہ چچا کا دل متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا، اس کے دل کی دنیا ہل گئی ـــــ گو ایمان پھر بھی نصیب نہ ہوا ـــــ اور اسے حد درجہ شرمندگی ہوئی کہ اس نے ـــــ محمد بھتیجے ـــــ سے ایسی بات کیوں کہی؟

پھر اس نے تکریم و تعظیم کی نگاہوں سے بھائی کی معصوم نشانی کو دیکھا اور کہا:

"جانِ برادر! تو اپنے دین کی دعوت دے ـــــ جس طرح تو چاہے۔ اللہ کی قسم، زندگی بھر تیرے دشمنوں کے لیے تجھے تنہا نہ چھوڑوں گا"!

۹

نبی مکرم دعوتِ دین کے راستہ میں برابر منہمک تھے، بہت سے قریشی نوجوان آپ کی طرف کھنچے چلے آرہے تھے ـــــ اہلیہ محترمہ خدیجہ ـــــ سب سے بڑھکر اس راہ میں ہمدرد و معاون تھیں، حد درجہ پیار نچھاور کرنے والی بلکہ وہ پہلی خاتون ہیں ـــــ شرافت کا مرقع ـــــ جس نے اپنے

شوہر گرامی کو رسالت سے پہلے اور بعد ـــــ ہر حال میں ـــــ قلبی محبت سے سرفراز کیا ـــ ان کی تعظیم و اکرام کا ایسا ریکارڈ قائم کیا کہ باید و شاید؟ ـــــ اور دکھوں میں ایسا ہاتھ بٹایا کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔

اسی طرح چچا ابو طالب نے بھی دشمنوں کے مقابلہ میں حمایت، دعوت کے راستہ میں مدد کی، اور مکّہ کے قریشی رؤساء کی شرارتوں اور زیادتیوں سے بچانے کی ہر ممکن تدبیر کی۔

ناگہانی سیّدۂ کائنات ـــــ زوجۃ النبی، مخدومۂ امّت، سیّدہ طاہرہ خدیجہ ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جوارِ الٰہی میں پہنچ گئیں اور چند سے بعد ابو طالب بھی ـــــ حالتِ کفر میں ـــــ دنیا سے چل بسے۔

یہ صدمات آپ کے لیے انتہائی قسم کے صدمات تھے اور یہ گھڑیاں ازحد کرب ناک ـــ آپ نے محسوس کیا کہ حمایت و تعاون کی ایک دنیا لٹ گئی ـــ ابو طالب کی موت سے قریش بہت خوش تھے۔

بعض نے کہا:

"محمد ـــــ کا بڑا حامی ابو طالب مر گیا، اب آسانی سے نمٹا جا سکے گا۔"

ایک نے کہا ـــــ کیونکر؟

ابو جہل بولا:

"ہر قبیلہ کا ایک ایک قریشی جوان اکٹھا کر کے تلوار بکف ـــــ محمد ـــــ کے لیے گھات میں بٹھا دیں گے ـــــ وہ گھر سے نکلے گا تو سب یکبارگی حملہ آور ہو کر ایک ہی ضرب میں کام تمام کر دیں گے ـــــ ظاہر ہے ایسی حالت میں قاتل نامعلوم ہوگا، اس کا ہم سے کوئی بدلہ نہ لے سکے گا۔ اس کے گھر والے مالی معاوضہ پہ راضی ہو جائیں گے۔ جس کی ادائیگی ہمارے لیے مشکل نہیں۔

ہم فوراً معاوضہ دے دیں گے اور یوں چھٹکارا حاصل کر لیں گے "۔

قریش کو یہ بات بہت پسند آئی اور اس کام کے لیے ایک رات تجویز کر لی۔ تاکہ کام تمام ہو سکے۔

لیکن اللہ تعالیٰ ـــــ رب العزّت والجلال ـــــ ہر خفیہ اور اعلانیہ تدبیر کو جانتا ہے۔ فوراً سیدنا جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر قریش کے عزم سے مطلع کر دیا گیا۔ اور حکم دے دیا گیا کہ مکّہ کو چھوڑ کر مدینہ کی راہ لی جائے!

محمد کریم ـ صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ نے بعجلت تمام، اپنے عزیز دوست ابوبکر ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساری صورت حال سے مطلع کیا۔ اور بتلایا کہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم دے گئے۔

ابوبکر نے عرض کیا ـــــ ہجرت کی راہ میں مجھے رفاقت کی اجازت ہے!

پیغمبرِ اسلام نے فرمایا ـــــ کیوں نہیں، آپ صدیق ہیں کیا ہی اچھے اور اس راستہ کے رفیق ہیں ـــــ کیا ہی خوب ـــــ اے پیارے ابوبکر!

محمد ـــــ کے قتل کے لیے مقررہ رات، جوانانِ قریش تلوار بکف، رات بھر کاشانۂ نبوّت کے دروازے پر رہے کہ آپ نکلیں تو حملہ آور ہو کر کام تمام کر دیں۔

اسی شب آپ نے اپنے برادر عزیز ـــــ سیّدنا علی ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جگہ اپنے بستر پر لٹا کر انہیں اپنی قوم کے بد ارادوں سے مطلع کر دیا۔

علی ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بہادر جوان تھے، ان کی قوت و چابک دستی معلوم و مشہور تھی ـــــ ساتھ ہی محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی محبت مثالی تھی کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔

ہم فوراً معاوضہ دے دیں گے اور یوں چھٹکارا حاصل کر لیں گے"

قریش کو یہ بات بہت پسند آئی اور اس کام کے لیے ایک رات تجویز کر لی۔ تاکہ کام تمام ہو سکے۔

لیکن اللہ تعالیٰ ——— رب العزت والجلال ——— ہر خفیہ اور اعلانیہ تدبیر کو جانتا ہے۔ فوراً سیدنا جبرئیل علیہ السلام کو بھیج کر قریش کے عزم سے مطلع کر دیا گیا۔ اور حکم دے دیا گیا کہ "مکہ" کو چھوڑ کر مدینہ کی راہ لی جائے!

محمد کریم ——— صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ نے بعجلت تمام، اپنے عزیز دوست ابوبکر ——— رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ساری صورت حال سے مطلع کیا۔ اور بتلایا کہ سیدنا جبرئیل علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم دے گئے۔

ابوبکر نے عرض کیا ——— ہجرت کی راہ میں مجھے رفاقت کی اجازت ہے!

پیغمبر اسلام نے فرمایا ——— کیوں نہیں، آپ صدیق ہیں کیا ہی اچھے اور اس راستہ کے رفیق ہیں ——— کیا ہی خوب ——— اے پیارے ابوبکر!

محمد ——— کے قتل کے لیے مقررہ رات، جوانانِ قریش تلوار بکف، رات بھر کاشانۂ نبوت کے دروازے پر رہے کہ آپ نکلیں تو حملہ آور ہو کر کام تمام کر دیں۔

اسی شب آپ نے اپنے برادرِ عزیز ——— سیدنا علی ——— رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جگہ اپنے بستر پر لٹا کر انہیں اپنی قوم کے بد ارادوں سے مطلع کر دیا۔

علی ——— رضی اللہ تعالیٰ عنہ، بہادر جوان تھے، ان کی قوت و چابک دستی معلوم و مشہور تھی ——— ساتھ ہی محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ان کی محبت مثالی تھی کہ اس سے بڑھ کر ممکن نہیں۔

علی ــــــ بسترِ نبوّت پر لیٹ گئے ــــــ رات کی تاریکی میں راہِ ہجرت کا مسافر اس طرح گھر سے نکلا کہ وہ زیرِ لب قرآن عزیز کی بعض آیات کی تلاوت میں مصروف تھا ــــــ ــــــ اس امام معصوم و پیغمبرِ خاتم کے ہاتھ میں مٹی ــــــ جسے اس نے جوانانِ قریش کی طرف پھینک دیا، جس سے وہ اندھے ہو کر رہ گئے اور راہِ حق کا مسافر اللہ تعالیٰ کی تائید و حمایت میں اس طرح نکل گیا کہ دشمن دیکھ نہ سکے۔ صبح گاہی، پہرے پر موجود قریشی نوجوانوں نے دارِ نبوّت کو کھولا تو بستر پر ــــــ علی ــــــ تھے۔ انہیں سوتا دیکھ کر قریشیوں کو بہت تعجّب ہوا۔

بعض نے کہا ــــــ محمد نکلے کیسے؟ ایسی خفیہ پلاننگ؟ کہ ہم انہیں دیکھ نہ سکے۔

آہ! ہم رات بھر جاگتے رہے کہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکیں ــــــ

ایک نے کہا! ہم ایسی نیند سو گئے۔ جو ہماری سمجھ سے بالا ہے ــــــ

ایک نے کہا! محمد نے ہم پر جادو کر دیا۔ جس کی وجہ سے ہم سو گئے اور وہ رات کی ظلمتوں میں نکل گئے۔

○

قریش نے شدید گھبراہٹ کا مظاہرہ کیا اور انہیں شدید خفّت ہوئی، انہوں نے چاروں طرف بندے دوڑائے تاکہ محمد کا پتہ چلا سکیں ــــــ اور جو ایسی خبر لائے اس کے لیے بڑے انعام کا اعلان کیا۔

ادھر محمد عربی صلوٰۃ اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ رات کو نکل کر اپنے دوست کے ــــــ ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملے۔ اور پھر زندگی اور زندگی کے بعد یہ دونوں ساتھی چل کھڑے ہوئے حتیٰ کہ "جبل ثور" جا پہنچے۔

اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا کہ کفارِ قریش ان کی تلاش

بیں ہیں۔ اور وہ آپ کے لیے انتہائی فیصلہ کر چکے ہیں تو اپنے دوست ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمیت ایک ایسی کھلی جگہ پر اجماں ہو گئے جو غار جیسی تھی۔ اور اس میں رُوپوشی اختیار کر لی۔ مشرکین قریش آپ کی تلاش میں نشان ہائے قدم پر چلتے چلتے غار تک پہنچ گئے۔

ایک نے کہا —— یہاں تک پہنچنے کا ثبوت تو ہے —— پھر وہ ہیں کہاں؟

دوسرے نے کہا —— کیوں نہیں، اسمیں شک نہیں کہ یہ محمد ہی کے قدموں کے نشانات ہیں —— ان کے نہیں تو کس کے ممکن ہیں؟

اللہ تعالیٰ کی عنایت و مہربانی ان کی محافظ تھی۔ اس لیے غار کے دروازے پر مکڑی نے جالا تن لیا۔ اور کبوتری نے وہاں گھونسلا بنالیا، اس کے ساتھ اس کے بچے بھی تھے، بچوں سمیت وہ وہاں مقیم ہو گئی —— اس طرح مکڑی اور کبوتری نے غار کا دروازہ بند کر دیا۔ اور اس امکان کو ختم کر دیا کہ اندر کوئی ہو سکتا ہے —— اس طرح دیکھنے والے دیکھ کر بھی انہیں نہ دیکھ سکے۔

بلکہ غار کے سامنے جب وہ کھڑے ادھر اُدھر دیکھ رہے تھے اور باہم بحث و مباحثہ کر رہے تھے —— تو ایک نے غار پر نظر ڈالتے ہوئے یوں کہا بھی کہ:

"کیا یہ ممکن نہیں کہ محمد اس غار میں ہوں؟

دوسرے نے غصہ میں پلٹ کر کہا:

"اس کے دروازے پر کبوتری کا گھونسلا اور مکڑی کا تنا ہوا جالا تمہیں نظر نہیں آرہا؟"

اندر پیغمبر اعظم یہ گفتگو سُن رہے تھے —— ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اضطراب و خوف کا شکار تھے کہ کہیں وہ ظالم اندر پہنچ کر نبی محترم

کونقصان نہ پہنچائیں ــــــ اس پر نبی محترم نے ان کی طرف شفقت بھری نظروں سے دیکھا اور فرمایا ــــــ ابوبکر، ڈریئے نہیں۔ اللہ تعالے ہمارے ساتھ ہے۔

اس طرح مشرکین بے نیل ومرام مکہ کی طرف لوٹ گئے، اب حضور اقدس اور جناب صدیق غار سے نکلے، دو اونٹنیاں ان کی منتظر تھیں۔ اور ایک شخص بھی جو صحرائی راستوں سے واقف تھا ــــــ پس راہِ حق کے یہ دونوں مسافر اونٹنیوں پر سوار ہو گئے۔ اور اللہ تعالے کی نگہبانی میں مدینہ کو چل کھڑے ہوئے۔

○

جب نبی محترم نے مکہ میں کھلم کھلا دعوتِ اسلام کا کام کیا تو بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے ــــــ قریش اس سے بہت برہم ہوئے، اور انہوں نے مسلمانوں کو بہت اذیتیں پہنچائیں ــــــ ان مسلمانوں نے قریش کے غضب سے بچنے اور ان کی .... اذیت سے محفوظ رہنے کے لیے ہجرتِ مدینہ کا راستہ اختیار کیا۔

یہ مسلمان جنہوں نے ہجرتِ مدینہ اختیار کی اور وہاں اقامت اختیار کی انہیں "المہاجر" کہا جاتا ہے۔ اور مدینہ منورہ کے وہ باشندے جنہوں نے محمد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی دعوتِ اسلام کو سنا اور اپنے ان مہاجر بھائیوں سے مل کر اس دعوت کو قبول کیا اور محمد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر ایمان لائے اور دینِ اسلام میں داخل ہوئے ــــــ انہیں "الانصار" کہا جاتا ہے۔

مدینہ کے مسلمان جی جان سے چاہتے کہ نبی کریم علیہ السلام بھی ہجرت فرما کر مدینہ آئیں تاکہ وہ اپنی جان اور مال آپ پہ نچھاور کر سکیں اور قرون

کی اذیتوں اور ان کی سرکشیوں کے مقابلہ میں آپ کے کام آسکیں اور جذبہ ایثار و قربانی کا مظاہرہ کرسکیں۔

جب اہل مدینہ کو یہ خبر پہنچی کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکہ چھوڑ کر مدینے کی طرف تشریف لا رہے ہیں تو وہ بہت خوش ہوئے، رسول اکرم کے استقبال کے لیے تہلیل و تکبیر کی فضاؤں سے مدینہ گونجنے لگا، لوگ ہر صبح آپ کی انتظار میں مشغول ہو جاتے ــــــ یہ سلسلہ مسلسل چلتا رہا۔

ایک صبح ایسی علامات سامنے آئیں کہ گویا دو نفری قافلہ مقدسہ پہنچ رہا ہے ــــــ اہل مدینہ نے دُور سے دو حضرات کو آتے دیکھا تو انھوں نے یقین کر لیا کہ یہ نبی مکرم اور ان کے رفیق سفر ابوبکر ہی ہیں ــــــ اس یقین کے بعد خوشی و مسرت کے شادیانے بجنے لگے۔ نوبت بجائی گئی اور طبل و مزامیر سے اعلان ہونے لگا۔

ان لوگوں نے غایت درجہ خوشی و مسرت سے آپ کا استقبال کیا اور خوشی کے گیت گائے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَیْنَا مِنْ ثَنِیَّاتِ الْوَدَاعِ

ہم پر بدر کامل طلوع ہوا۔ وداع کی گھاٹیوں سے۔

وَجَبَ الشُّکْرُ عَلَیْنَا مَادَعَا لِلّٰہِ دَاعٍ

ہم پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا لازم ہے، جب تک راہِ حق کا داعی اللہ تعالیٰ کے لیے دعوت دیتا رہے۔

اَیُّھَا الْمَبْعُوْثُ فِیْنَا جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

اے وہ ذات مبارک! جو ہمارے یہاں تشریف لائی، آپ ایسا دین لے کر آئے جس کی اطاعت لازم ہے۔

جِئْتَ شَرَّفْتَ الْمَدِیْنَۃَ مَرْحَبًا یَاخَیْرَ دَاعٍ

آپ کی آمد نے مدینہ کو مشرف و مکرّم بنا دیا۔ خوش آمدید ــــ
اے بہترین داعی۔

نبی محترم علیہ التحیۃ والتسلیم مدینہ میں داخل ہوئے تو وہاں کے باشندوں نے خوشی و مسرت کے جذبات کے ساتھ آپ کو گھیر لیا ــــ وہاں وہ مہاجر بھی تھے۔ جنہوں نے نبی مکرم کی ہجرت سے قبل مدینہ کی ہجرت فرمائی تھی ــ رہ گئے اہلِ مدینہ تو وہ اس اونٹنی کے ارد گرد ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں تھے۔ جس پر آپ سوار تھے۔ ہر ایک کی خواہش تھی کہ اسے چھو سکے اور ہر ایک اس کو لگام سے پکڑنے اور بطور رہبر آگے چلنے کی سعادت حاصل کرنے کا متمنّی تھا ــــ اس سے اصل غرض یہ تھی کہ ہر شخص اپنے گھر آپ کو اتارنے کا خواہش مند تھا۔ بھیڑ بھاڑ زیادہ ہو جانے پر آپ نے ارشاد فرمایا:

"اس کو چھوڑ دو، اپنی مرضی سے اسے چلنے دو، اور جہاں چاہے بیٹھنے دو۔"

اس پر لوگوں نے اونٹنی کو چھوڑ دیا، بس اس کے آگے، پیچھے اور دائیں بائیں تہلیل و تکبیر کے ساتھ چلنے لگے۔ اسی اثناء میں ایک صاحب نے بصد شوق و اشتیاق کہا:

"رسولِ محترم! یہ آپ کے ننھیالی عزیزوں ــــ بنو نجّار کا علاقہ ہے۔ یہاں اُتر جائیں، ہماری روحیں اور مال و ہتھیار آپ کے تعاون و حمایت کے لیے حاضر ہیں۔"

بنو نجّار کی ایک جماعت نے یہ بھی چاہا کہ اونٹنی کی لگام پکڑ لیں ــ لیکن آپ نے ایسا کرنے سے روکا ــــ اور فرمایا، اسے چھوڑ دو، چلنے دو ــــ ناقہ چلتی رہی حتیٰ کہ حضرت ابو ایوب الانصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکان پر پہنچ کر بیٹھ گئی ــــ یہ بزرگوار بنو نجّار ہی کے فرد تھے

اونٹنی وہاں رک گئی۔ اور نبی مکرم اتر گئے اور فرمایا:

"ہاں، یہی ہماری منزل ہے ——— اللہ تعالیٰ کی مشیّت سے ——— پیغمبر اقدس، سیّدنا ابو ایّوب کے مکان پر اتر کر اس میں مقیم ہو گئے ——— یہ پہلا گھر تھا جس میں رسولِ محترم مہمان ہوئے اور یوں اس گھر کو سب سے پہلے شرف و برکت حاصل ہوئی ——— اس گھر کے جملہ چھوٹے بڑے افراد ——— پیغمبر اسلام کی خدمت میں ایک دوسرے سے بڑھ کر مصروف رہتے ——— انہیں فخر تھا کہ عزت انہیں ملی، نبی محترم، اسی گھر میں مہاجرین و انصار سے ملتے اور انہیں دینی امور سے آگاہ فرماتے ——— نئی نازل ہونے والی وحی سے مطلع فرماتے اور انہیں وہ آیاتِ مبارکہ سناتے۔

مدینہ میں کافی تعداد میں مہاجر حضرات تھے ——— جنہوں نے اپنا مال، گھر سبھی کچھ مشرکین مکّہ کی اذیّتوں سے بچنے کے لیے چھوڑا تھا اور اپنے ایمان اور عقیدہ کے لیے سب کچھ قربان کیا تھا۔

یہ حضرات، اپنے بھائی انصار کے مہمان تھے، جنہوں نے ان کا خندہ روئی سے استقبال کیا۔ اور کمال درجہ عزّت و تکریم سے نوازا۔

انصار کے سردار سیّدنا سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"انصارِ مدینہ! تم مستحق تبریک ہو، اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کے یہاں قیام کا انتظام فرما کر ہمیں عزّت بخشی، یہ ہمارے لیے بہت ہی فخر کی بات ہے۔ یہ سعادت انہی کو میسّر آتی ہے۔ جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، اور جن کے دلوں میں اس پاک ذات نے ایمان کو محبوب بنا دیا ہو۔

ہمارے مہاجر بھائی اپنا سب کچھ چھوڑ کر ہمارے پاس تشریف لائے ——— گھر، مال حتیٰ کہ اہل و عیال ——— ان کی آمد اس لیے

ہے کہ ہمارے شہر و مکانات میں ہمارے ساتھ رہیں، ہم انہیں دل کی گہرائیوں سے خوش آمدید کہتے ہیں ——— وہ ہمارے اس طرح مہمان ہوئے کہ اب وہ ہمارے بھائی اور بہنوں کی مانند ہیں۔"

ایک دوسرے بزرگ نے فرمایا:

"برادرانِ انصار! میری رائے یہ ہے کہ ہم میں سے ہر شخص ایک مہاجر بھائی کو لے تاکہ وہ اس کے ساتھ اسی کے گھر میں زندگی گذارے ——— جیسے محترم مہمان ہوتا ہے۔ یا شفیق و عزیز بھائی۔"

اس رائے کو سب نے پسند کیا اور مل کر محمد کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے ——— اور جو بات ہوئی تھی وہ عرض کی، آپ بے حد خوش ہوئے اور انہیں دعا و برکت سے نوازا ——— آپ ایک مہاجر برادر کو پکڑتے اور انصاری بھائی کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دے کر فرماتے:

"تم دونوں اللہ تعالیٰ کے لیے بھائی بھائی ہو۔"

جس کھلے میدان میں آپ کی سواری کی اونٹنی بیٹھی تھی، اس کو بقیمت حاصل کر کے آپ نے مسجد بنائی۔ اور اس کے پہلو میں ایک مختصر سا رہائشی مکان!

○

جب مسلمان مکہ سے نکل کر ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے تو انہی دنوں ابوسفیان تجارتی قافلہ کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ (ان کا راستہ مدینہ کے پاس سے گزرتا تھا)

ابوجہل اور ابولہب، سردارانِ کفار، مسلمانوں کے اس مال کے متعلق گفتگو کر رہے تھے جو کفار کے زعم و خیال میں مسلمانوں نے ابوسفیان سے

ـــــ لوٹ لیا تھا ـــــ ان دونوں ـــــ ابوجہل اور ابولہب نے پہاڑ کی طرف سے ایک آواز سنی، کہنے والا کہہ رہا تھا:

"قریشیو! محمد اور ان کے ساتھیوں نے شام سے لوٹتے ہوئے ابوسفیان کی راہ روک لی ہے۔ جلدی سے اٹھو اور اس سے پہلے کہ مسلمان تمہارے مالوں پر قبضہ کرلیں انہیں بچاؤ قریشیو! اٹھو ـــــ ابوسفیان مدد کا طلب گار ہے۔"

اس پر قریش نے ایک ہزار آدمی تیار کیا ـــــ ان میں سے ہر ایک زرہ، اور تلوار سے مسلّح تھا، اس کا مقصد تجارتی سامان کو بچانا اور ابوسفیان کی مدد تھی ـــــ یہ لوگ راستہ میں ہی تھے کہ انہیں معلوم ہوا کہ ابوسفیان بچ بچا کر نکل آئے ہیں۔ مال بھی محفوظ ہے۔

لیکن ابوجہل نے کہا، اب واپسی ممکن نہیں، ان مسلمانوں کی گوشمالی کرنا لازم ہے اور انہیں ادب سکھانا ضروری!

پیغمبر اسلام ـــــ حالات کا جائزہ لے رہے تھے، آپ سمجھ گئے کہ مشرکین مکہ مسلمانوں سے لڑائی پر مصر ہیں۔ آپ نے صحابہ سے پوچھا:

"آپ حضرات کا کیا مشورہ ہے۔"

"میرے اللہ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ یا تو تجارتی مال ہمارے ہاتھ لگے اور یا ہم ویسے ہی ان پر غالب آجائیں گے۔"

مہاجرین تو ویسے ہی سب کچھ داؤ پہ لگا چکے تھے ـــــ انصار نے کہا:

"رسولِ محترم! آپ کے حکم و ارادہ کی نافرمانی؟ اس کا سوال ہی نہیں۔ جو حکم و ارشاد ہو ـــــ سر آنکھوں پر!"

نبی محترم نے ان کو لڑائی کی تیاری کا حکم دے دیا ـــــ تہی دامن ہونے کے باوجود مسلمان لڑائی کے لیے اس طرح نکلے کہ ان کے دل ایمان و یقین کی دولت سے مالا مال تھے، اور عزائم بے پناہ ـــــ انہوں نے

اپنی روحیں اللہ تعالیٰ کے دین کی نُصرت کے لیے اپنے مالک کے ہاتھ بیچ ڈالیں ـــــــ مرنے مارنے کے لیے تیار ہ!

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

چنانچہ معرکہ بدر میں وہ کفّار سے گتھم گتھا ہو گئے ـــــــ مسلمانوں کو عظیم الشان فتح میسّر آئی۔ اس فتح عظیم کا سبب نصرۃ الٰہی ـــــــ مسلمانوں کی قوّتِ ایمانی اور ان کا عزم و حوصلہ تھا۔

اسی معرکہ میں ابو جہل حد درجہ ذلّت ناک طریقہ سے مرا ـــــــ وہ مسلمانوں کا بدترین دشمن تھا ـــــــ مزید ستر بڑے بڑے کافر مارے گئے۔ اور ستر قیدی بنا لیے گئے ـــــــ مسلمان اس طرح مدینہ لوٹے کہ وہ عظیم فتح سے شادکام تھے۔

(۱۲)

دنیائے عرب میں مسلمانوں کی فتح مبین کی خبر پھیل گئی ـــــــ اب عرب کہتے تھے:

"اگر قریش کے بُت واقعی معبود ہوتے تو محمد کے مقابلہ میں ان کی مدد کرتے"

اردگرد کے علاقہ کے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کرنا شروع کر دیا۔ اور ہجرت کر کر کے مدینہ آنے لگے تاکہ پیغمبر مکرّم کے جوار میں قیام کر سکیں ـــــــ جزیرۃ العرب کے چاروں کونوں میں اسلام کی صدا گونجنے لگی۔

اب مدینہ میں مسلمان قوّت و طاقت کے ساتھ جی رہے تھے ـــــــ مال اسلحہ سبھی کچھ ان کے پاس تھا، اللہ تعالیٰ کی راہ میں لڑائی اور شوقِ شہادت ان کی گھٹی میں پڑ چکا تھا۔

قریش بدر کی شکست بھول نہ سکتے تھے ـــــــ اُنہوں نے ایک بار پھر

لشکر کا اہتمام کیا تاکہ انتقام لے سکیں۔ اس طرح اُحد کی لڑائی مسلمانوں اور کافروں کے درمیان ٹھن گئی ـــــــ ابتداء میں مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ لیکن کفار کے چھوڑے ہوئے مال کے جمع کرنے میں جب بعض مسلمان مشغول ہو گئے تو اس فرصت کو غنیمت جان کر کافروں نے مسلمانوں پر ہجوم کر دیا، جس سے مسلمانوں کی صفوں میں اضطراب پھیل گیا، اور بہت سے مسلمان شہید ہو گئے ـــــــ ستر حضرات ـــــ کفار کی ایک جماعت نے پیغمبر خاتم کے خیمہ کا قصد کیا اور آپ کے قتل کا ارادہ کر لیا ـــــ لیکن بعض صحابہ نے آپ کی ذاتِ مبارکہ پر ان کے حملہ کو ناکام بنانے میں مثالی جرأت و ایثار کا مظاہرہ کیا ـــــ ان صحابہ کا مقدمۃ الجیش ـــــ امینِ امت سیدنا ابو عبیدہ بن الجراح اور حضرت طلحہ بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما تھے۔

اُحد کے بعد اِدھر اُدھر مختلف قبائل سے جنگ و لڑائی کا سلسلہ جاری رہا ـــــ ایسے قبائل جو اسلام دشمنی میں اندھے ہو رہے تھے ـــــ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہر معرکہ میں مسلمانوں کو اپنی مدد سے نوازا اور کامیابی بخشی۔

○

اب وہ گھڑی آئی کہ نبی مکرم، امام معصوم و پیغمبر خاتم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی قیادت میں مسلمانوں کا بڑا قافلہ سوئے مکہ روانہ ہوا کہ اس شہر مقدس کی گلیوں کی خاک سے آنکھیں ٹھنڈی کر سکیں اور اس میں موجود اللہ تعالیٰ کے سب سے پہلے گھر کی زیارت و طواف سے قلب و نظر کی بالیدگی حاصل کر سکیں ـــــ مشرکین مکہ کو علم ہوا تو انہوں نے ابو سفیان کو بھیجا کہ معلوم کر سکیں کہ خیر تو ہے؟ ـــــ مسلمانوں نے انہیں گرفتار کر کے نبی محترم کے حضور پیش کیا۔ وہ بلا جبر و حجت مسلمان ہو گئے۔ اور مسلمانوں کا قافلہ بغیر کسی لڑائی بھڑائی مکہ میں داخل ہو گیا۔

سیّدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مسجد کی چھت پر اذان دی —
نبی محترم علیہ السلام نے مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا فرمائی — کعبہ میں
رکھے بُت برباد کر دیئے گئے — بعض بت جو بلندی پر تھے، انہیں
سیّدنا علی بن ابی العاص — حضور اقدس کی بڑی صاحبزادی سیّدہ
زینب — کے بیٹے، نے نانا کے کندھے پر سوار ہو کر توڑ —
جو مشرک رہ گئے تھے۔ ان کی بڑی اکثریت اب خوشی خوشی آستانہ نبوت پر
حاضری دے کر بصد خوشی اسلام قبول کر رہے تھے — فاتح محمد کے اخلاق
عالیہ نے ان کے دل جیت لیے۔ اس طرح اسلام دنیائے عرب میں پھیل گیا
اللہ تعالیٰ نے پیغمبر خاتم کی دعوتِ دین کو اپنی تائید سے نوازا، اور کامیابی
سے ہمکنار فرمایا۔

حضور نبی مکرّم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسلمانوں کے ساتھ اس طرح برتاؤ
کرتے کہ جیسے برابر کے افراد ہوتے ہیں — آپ اپنے آپ کو ان کا
ایک فرد سمجھتے — غنی و محتاج اور چھوٹے بڑے میں کوئی فرق و امتیاز
نہ تھا۔ سونا چاندی اور دوسری چیزیں اب برابر کھنچی چلی آ رہی تھیں —
جس میں زکوٰۃ، غنیمت اور دوسری قسم کے مال ہوتے — لیکن آپ
سب ضرورت مسلم برادری میں تقسیم فرما دیتے۔ اور ایک حبہ اپنے لیے نہ
رکھتے، بھوک و پیاس کی شدّت سے آپ پیٹ پر پتھر تو باندھ لیتے لیکن کسی
سے اپنی ضرورت کا اظہار یا اپنی پریشانی کا شکوہ نہ کرتے۔

آپ سراپا عفّت اور تواضع میں اپنی مثال آپ تھے — کسی مجلس
سے گزر ہوتا تو لوگ احترام و تعظیم میں اُٹھ کھڑے ہوتے، لیکن آپ اس کو
پسند نہ فرماتے — روکتے اور ارشاد ہوتا:

"میرے لیے اس طرح نہ کھڑے ہوا کرو جس طرح عجمی ایرانی
کھڑے ہوتے ہیں — ایک دوسرے کی غلط انداز سے

تعظیم بجا لاتے ہیں ـــــ (انسان بطور انسان برابر ہیں
اور تعظیم کی مستحق صرف اللہ تعالیٰ کی ذات)۔"

راہ حق کا مسافر ـــــ کار دعوت اتمام کو پہنچا چکا تو مرض موت نے آلیا ـــــ بیماری بڑھ گئی ـــــ اب کاشانہ نبوت سے نکل کر مسجد کی تشریف آوری مشکل ہو رہی تھی، لیکن مسلمان حد درجہ پریشان، غم واندوہ کا شکار اور آپ کے روئے انور کی زیارت کے متمنی تھے ـــــ اس لیے آپ دو حضرات کے کندھوں کے سہارے سے چل کر تشریف لائے ـــــ مسجد میں ہجوم تھا۔ ابرار و اتقیاء منتظر دیدہ تھے ـــــ منبر کی پہلی ہی سیڑھی پر بیٹھ کر فرمایا:

"برادران دینی ـــــ میرے کانوں میں یہ خبر پڑی کہ آپ اپنے نبی کی موت سے ڈر رہے ہیں ـــــ کیا مجھ سے پہلے کوئی نبی ہمیشہ دنیا میں رہا کہ میں رہوں گا؟"

یہ مختصر خطبہ ارشاد فرما کہ کاشانہ نبوت کو پلٹ گئے اور یار صادق و رفیق عزیز ـــــ ابوبکر کو امامت صلوٰۃ کا حکم دیا:

"تھوڑے ہی وقفہ کے بعد روح مکرم اپنے خالق کریم کے حضور جا پہنچی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وازواجہ وبناتہ اجمعین)۔"

لوگوں نے اب زندہ رہ جانے والی آپ کی اکلوتی بیٹی ـــــ سیّدہ فاطمہ ـــــ سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ کے رونے کی آواز سنی جو کہہ رہی ہے ـــــ میرے ابا ـــــ میرے بابا۔

لوگوں کی عقلیں گم ہو گئیں، مصیبت عظمیٰ کے اس پہاڑ سے دل بیٹھ

گئے ـــــــ پھر سب پکار اُٹھے:

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن

ابوبکر ـــــــ صدیق عزیز تشریف لائے، روئے انور سے چادر ہٹا کر
پیشانی پر بوسہ دیا ـــــــ یہ الوداعی بوسہ تھا۔ پھر آپ مسجد میں تشریف لائے
ـــــــ مسجد کے ہجوم سے مخاطب کر کے فرمایا:

"لوگو! جو محمد کو معبود مانتے تھے ـــــــ ان کا معبود موت
کی وادی میں جا بسا۔ اور جو اس امام صادق و مصدوق کی
رہنمائی سے اللہ رب العزت کو معبود جانتے اور مانتے
تھے، وہ مطمئن رہیں ان کا معبود "حی" ہے ـــــــ ایسا
زندہ جس پر کبھی موت نہ آئے گی ـــــــ جلّ وعلیٰ مجدہ۔

○

جب آپ مدینہ تشریف لائے تھے ـــــــ تو بعض صحابہ کے ساتھ
اپنے والد بزرگوار کی قبر پر تشریف لائے تھے ـــــــ دُعا مانگی تھی۔ اور
آنسوؤں کا نذرانہ بھی پیش کیا تھا ـــــــ صحابہ کو فرمایا:

"یہ میرے ابو کی قبر ہے"

پھر اسی طرح اپنی امی کی قبر پہ گئے ـــــــ جماعت صحابہ میں امام
عادل و خلیفہ ثانی سیدنا عمر فاروق بھی تھے۔ قبر کی بائیں جانب کھڑے
ہو کر طویل دُعا مانگی ـــــــ آنسوؤں کی جھڑی صاف نظر آ رہی تھی اور
غم کا بوجھ منتقل! حضرت عمر نے عرض کیا:

"رسولِ محترم ـــــــ آپ کے رونے نے ہمیں بھی رلا دیا"

رسولِ محترم نے صحابہ کو اس حال میں فرمایا ـــــــ جب وہ سب آہ و بکا
کا شکار تھے؟

کیا تم میرے رونے کے سبب روئے؟

تین مرتبہ یہ ارشاد فرمایا ـــــ پھر ارشاد ہوا:

"یہ میری پیاری ماں آمنہ بنت وہب کی قبر ہے، میں نے اپنے رب سے درخواست کی کہ اجازت ہو تو ماں کی قبر پر حاضری دے لوں ـــــ میرے مولا نے مجھے اجازت دی"

امی کی خادمہ "برکتہ ام ایمن" آپ کی مربیہ تھیں ـــــ انہیں آپ دیکھتے تو ان سے لپٹ جاتے اور فرماتے:

"میری ماں کے بعد یہ میری ماں تھی ـــــ جس نے مجھے ماں کا پیار دیا"

ایک دن آپ کی دایہ سیدہ حلیمہ تشریف لائیں ـــــ تو ان کے لیے اپنی چادر بچھا دی ـــــ ان کے پہلو میں خود تشریف فرما ہوئے اور یہ فرمایا:

"آپ میری ماں ہیں ـــــ آپ نے مجھے دودھ پلایا"

چچا ابو طالب کی اہلیہ ـــــ فاطمہ ـــــ کے انتقال پر اپنا کرتہ بطور کفن انہیں پہنایا، اس کی قبر پر لیٹ گئے ـــــ صحابہ نے عرض کیا:

"رسول مکرم ـــــ نئی بات ہے، ایسا اس سے پہلے نہ ہوا؟"

فرمایا:

"اس بی بی نے میرے ساتھ تمام لوگوں سے زیادہ حسن سلوک کیا، میں نے عمر عزیز کا بڑا حصہ اس کے گھر میں گزارا ـــــ میں نے اپنا کرتہ اس لیے پہنایا کہ جنت کے حلّے اور لباس اس کا مقدر ہوں۔ اور قبر میں اس لیے لیٹا کہ وہ منزل اس کے لیے آسان

ہو جائے "

ماں کے معاملہ میں تو آپ کے جذبات بہت ہی عجیب تھے ـــــ اس کی عزت و تکریم حد کمال تک کی فرمایا:

"جنت کے متلاشیو! ماں کے قدموں تلے جنت ہے "

ایک دیہاتی نے حاضر ہو کر درخواست کی:

"رسولِ محترم! مسلمانوں کے لشکر جہاد میں اجازت کا متمنّی ہوں؟"

فرمایا ـــــ تمہاری والدہ ہیں؟

جی ہاں ـــــ اس نے عرض کیا ـــــ فرمایا:

"اس کے پاس چلے جاؤ، اس کا تم پر بڑا حق ہے، اس حق کو ادا کرو "

اس شخص نے جاتے جاتے تین بار اپنی خواہش دُھرائی ـــــ فرمایا:

"ماں کی خدمت میں جا ـــــ جنت اس کے قدموں تلے ہے "

اور پیار سے بعض جملے ارشاد فرمائے۔ جو اس معاشرہ میں رواج پذیر تھے۔ یعنی ـــــ ویحک ویحک۔

رسولِ کریم نے فرمایا:

"میں صلوٰۃِ عشاء میں مشغول فاتحہ پڑھ رہا ہوں ـــــ میرے والدین یا ان میں سے ایک آجائیں ـــــ اور میری ماں آواز دے یا محمد ـــــ تو میں اس طرح جواب دوں گا لبّیک یا اُمّاہ ـــــ امی ـــــ میں حاضر ہوں "

نبی الرحمۃ

سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"آپ تمام لوگوں سے بڑھ کر ہاتھ کے سخی تھے ——— دل کے سب سے بڑھ کر وسیع ——— زبان کے سب سے بڑھ کر سچے ——— وعدہ کے سب سے بڑھ کر پورا فرمانے والے ——— دل کے سب سے بڑھ کر رحیم وکریم اور لطف وکرم کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر عظیم تھے۔"

روایت ہے کہ:

"آپ صحابہ کے ساتھ مشغولِ صلوٰۃ تھے ——— نواسے حسن، حسین ——— سلام اللہ تعالیٰ علیہما و رضوانہ چھوٹے تھے ——— مسجد آگئے، حالتِ سجدہ میں پشت پر سوار ہو گئے، برابر سجدہ میں مشغول رہے ——— سجدہ اتنا لمبا ہو گیا کہ صحابہ کو خیال ہونے لگا کہ نصیب دشمناں کوئی تکلیف نہ ہو گئی ہو ——— جس سے اُٹھنا مشکل ہو رہا ہے۔"

نماز انجام کو پہنچی ——— تو بعض صحابہ نے عرض کیا۔

"آقا ——— اتنا طویل سجدہ ——— ہمیں تو مختلف قسم کے شکوک اور پریشانیوں نے گھیر لیا؟"

رحمتِ دوعالم مسکرائے اور فرمایا:

"یہ دونوں چاند ——— میری پیٹھ پر چڑھ دوڑے ——— مجھے اچھا نہ لگا کہ جلدی اُٹھ کر ان کی خوشیوں کا مزہ کرکرا کردوں۔"

یہ بھی آپ کی شانِ رحمت ہی کی بات ہے کہ فرماتے ہیں:

دو میں نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور خواہش ہوتی ہے کہ بہت ہی لمبی نماز ادا کروں۔ لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز کان میں پڑتی ہے تو میں نماز مختصر کر دیتا ہوں، مبادا یہ بات اس کی ماں پر شاق گذرے ـــــ اور وہ پریشان ہو۔"

والدین کے لیے جذبات رحمت کا یہ حال ہے کہ ایک صاحب حاضر ہوئے اور عرض کیا:

"آقا! جہاد فی سبیل اللہ کا متمنی ہوں، بلکہ اسی میں زندگی... گذارنے کا خواہاں؟"

فرمایا:

"تمہارے والد یا والدہ ہیں!"

اس نے عرض کیا:

"جی ہاں ـــ بفضل اللہ تعالیٰ دونوں ہیں۔"

فرمایا ـــ پلٹ جاؤ ان کی خدمت میں اور ان کی خدمت کرو اس طرح کہ زمانہ تحسین کرنے لگے۔

ایک اور صاحب حاضر ہوئے ـــ عرض کیا:

"سیدی ـــ ہجرت کی بیعت کے لیے حاضر ہوا ہوں ـــ اور میں نے والدین کو اس حال میں چھوڑا کہ ان کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں۔ فرمایا ـــ دیر مت لگاؤ، فوراً پلٹو۔ اور جا کر ماں باپ کو ہنساؤ اور ان کی خوشیوں کا سامان کرو۔"

اللہ تعالیٰ کے ان گنت درود و سلام ـــ اس ذات اقدس و اطہر پہ ـــ اس کی رحمتوں، شفقتوں اور محبتوں کا کیا عالم تھا ـــ صلی اللہ تعالیٰ علیٰ محمد ـــ خاتم النبیین و المعصومین ـــ وعلیٰ آلہٖ و اصحابہ و ازواجہ و بناتہ و امتہ اجمعین۔

اہل البیت : (۳)

سیّدہ خدیجہ طاہرہؓ

رسولِ اکرم (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)

کی

اہلیہ

۱

شرفاءِ قریش کی ایک جماعت کعبہ کے پہلو میں بیٹھی مصروفِ گفتگو تھی۔

ایک نے احباب سے کہا:

میرے چچا کی اولاد! میں نے شادی کا عزم کیا ہے۔

دوسرے بولے ——— بہت خوب، جانِ عم، ضرور ایسا کیجئے، آپ اپنی والدہ کی وفات کے بعد تنہا زندگی گزار رہے ہیں۔ اُدھر آپ کے والد نے دوسری خاتون سے شادی کر لی ——— اس طرح تنہائی اور سوتیلے پن کے دوہرے عذاب سے بچنے کے لیے شادی لازم ہے۔

ایک اور صاحب بولے! بہت اچھی بات ہے ——— تنہائی کی زندگی سے شادی اچھی ہے ——— خاص طور پر تمہارے جیسے شخص کے لیے جو بہت ہی صاحبِ مال ہو اور جس کا والد قریش کے بڑے لوگوں میں سے ہو ———

تیسرا بولا! بھائی کیوں نہیں ——— قریش کی ہر شریف جواں صورت نہیں چاہتی ہے ——— اور یہی چاہتی ہے کہ تمہاری شریکِ حیات بنے ———

شادی کے متمنّی "حارث" نے سب کی طرف دیکھا اور کہا:

احبابِ گرامی ——— یہ تمہارے قیاسات و خیالات ہیں، تمہارا گمان یہ ہے کہ قریش کی ہر جوان عورت چاہتی ہے کہ میری بیوی ہو ——— لیکن تمہاری یہ سوچ درست نہیں۔

سب چلّائے ——— ہماری سوچ درست نہیں ——— کیسے؟ کیا

کہہ رہے ہو؟

حارث بولا:

میں نے "خدیجہ بنت خویلد" کو نکاح کا پیغام بھیجا، لیکن اس نے میرا پیام رد کر دیا، کیونکہ اس کے والد کے خیال میں میرا قبیلہ ان کے قبیلہ سے حسب و نسب کے اعتبار سے کم تر ہے۔

حارث کے رفقاء میں سے ایک نے کہا:

ہاں —— بھائی —— ہاں —— خدیجہ کا والد "خویلد بن اسد" سادات قریش میں سے بہت بڑا آدمی ہے، بڑی تجارت کا مالک، بڑی حویلی کا باشندہ —— ایسی حویلی جو عرب کے چپّہ چپّہ سے مکّہ آنے والے زائرین اور مہمانوں کی قیام گاہ ہے۔

دوسرا بولا:

رہ گئی اس کی بیٹی "خدیجہ" تو وہ مکّہ کے کھلنے والے پھولوں میں سے ایک ہے، خوبصورتی کے اعتبار سے بے مثال، سیرت و کردار کے اعتبار سے پاکیزگی کا مرقع اور خاندانی اعتبار سے عظیم المرتبت —— لوگ کہتے ہیں —— اور جو کہتے ہیں، صحیح کہتے ہیں کہ:

"وہ عقلِ سلیم و صائب کی مالک ہے، اس کا کردار پاکیزہ، اخلاق بلند، اور دل بہت بڑا ہے۔"

○

ابھی گفتگو جاری تھی کہ ایک صاحب گزرے، طویل القامت، چہرہ بشرہ سے سراپا رعب و جلال، کڑھائی والے مخصوص لباس میں ملبوس، سر پر سفید ریشم زرنگار عمامہ، اور پیچھے جوانوں کی ایک جماعت! وہ پُرہیبت شخص گزرا تو سب کی سٹّی گم ہو گئی اور سکوت چھا گیا —— سب نے ایک دوسرے کو دیکھا، ایک نے

ہلکی آواز سے کہا۔

میاں یہی تو خویلد بن اسد ہیں ــــ خدیجہ طاہرہ کے والد ــــ پیچھے چلنے والے نوجوان ان کے قبیلہ کے تھے۔

دوسرے نے کہا ــــ یہ روزمرہ کی عادت کے مطابق کعبۃ اللہ کا طواف کرنے آئے ہیں۔

خویلد نے کعبہ کے چند چکر لگائے اور پھر صحنِ کعبہ میں استراحت کے لیے بیٹھ گئے۔

اسی اثناء میں ایک صاحب آئے ــــ بہت وجیہ اور خوبصورت دنیوی مال ومنال اور رعنا و تونگری کے آثار ان پر ظاہر تھے۔ اور ان کے پیچھے بھی جوانوں کا ایک گروہ ادب واحترام سے چلا آرہا تھا۔

حارث کے رفقاء میں سے ایک نے کہا:

یہ صاحب قبیلہ بنو مخزوم کے سادات میں سے ایک بڑے آدمی ہیں ــــ نام ہے "عتیق بن عائذ" اس کی طرف دیکھو، عربی شجاعت وغیرت کی جیتی پھرتی تصویر ہے ــــ جود وکرم میں بھی اپنی مثال آپ ہے۔

○

عتیق بن عائذ، خویلد بن اسد کے پاس آئے اور کہا۔

خویلد! آپ ہمیشہ خوش وخرم رہیں۔

انہوں نے بھی ایسا ہی جواب دیا۔

عتیق نے کہا ــــ ابنِ عم ــــ ایک درخواست کے ساتھ حاضر ہوا ہوں، مناسب نہیں کہ یہاں کعبہ میں وہ بات ہو۔

خویلد بولے ــــ ابن عم! میرے گھر تشریف لائیں ــــ سر آنکھوں پر بٹھاؤں گا۔

اگلے دن عتیق، خویلد کے مکان پر تھے ــــ انہوں نے کہا:

ابن عم ــــ میں آپ کے پاس رشتہ کی غرض سے آیا ہوں۔

خویلد بولے ــــ میری بیٹی ہالہ یا خدیجہ کا؟

عتیق نے کہا ــــ خدیجہ کا۔

خویلد نے کہا ــــ سر آنکھوں پر ــــ لیکن مجھے مہلت مطلوب ہے تاکہ خدیجہ کی رائے معلوم کر سکوں۔

عتیق نے کسی قدر تعجب و حیرت سے کہا ــــ جناب آپ اس کے باپ ہیں۔ ــــ اپنی قوم میں میری حیثیت سے واقف ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ قریش میں میرا کیا مقام ہے؟

خویلد نے کہا ــــ ابن عم ــــ بہت درست، تم واقعی ہر قریشی عورت کے کفو ہو ــــ برابر کے ــــ جس سے کوئی بھی نکاح سے انکار نہ کرے گا ــــ لیکن معاملہ بیٹی کا ہے، اس کے مستقبل کا ہے، اس لیے اس کی رضا لازم ہے۔ عتیق خویلد کے گھر سے چلے گئے اور کہا کہ بہت اچھا ــــ میں چند دن انتظار کروں گا۔

○

سیدہ خدیجہ بنت خویلد مرقع حسن و جمال تھیں ــــ ان کی شکل و صورت ایک ایسا فتنہ تھا جو ہر ایک کے لیے آزمائش کی شکل رکھتا تھا۔ وہ مکہ کے عربوں کے درمیان عفت و پاکیزگی، حسن سیرت و کردار اور شرافت و مروت کے حوالہ سے مشہور تھیں۔

خدیجہ کی شخصیت اتنی مضبوط تھی کہ چار سُو ان کا احترام تھا، یہی حال ان کی عقل و دانش کا تھا کہ ہر کوئی اس کا معترف! مشکل ترین معاملات کے سلجھاؤ کے لیے قدرت نے انہیں فہم صحیح کی دولت سے نوازا تھا ــــ

اسی لیے ان کے والدان کی شادی کے معاملہ میں ان کے مشورہ کے بغیر کوئی فیصلہ کرنا نہ چاہتے تھے۔

عتیق بن عائذ کے چلے جانے کے بعد خدیجہ کے ابّو تشریف لائے اور کہا :

بیٹا! عتیق بن عائذ تمہارے رشتہ کے متمنّی ہیں ——— تمہاری کیا رائے ہے؟

سعادت مند بیٹی نے کہا ——— ابّا، اصل رائے آپ کی ہے — پہل کا حق آپ کو ہے۔

ابّو نے کہا ——— بیٹی! وہ بنی مخزوم کے سادات میں سے ہیں ان کے پاس مال کی بھی کمی نہیں۔

بیٹی نے کہا، ابّو، میں تو کچھ اور صفات کے حامل مرد کی متمنّی ہوں۔

ابّو نے کہا ——— ان صفات کی تفصیل؟

خدیجہ نے کہا ——— وہ شخص جو میرا طلب گار ہو، وہ حق کے معاملہ میں بہادر ہو، شرافت کے باب میں غیرت مند ہو، اور ایسا کریم ہو کہ محتاجوں کے معاملہ میں اپنے مال سے کسی قسم کا بخل نہ کرے۔

ابّو نے کہا ——— بیٹی "عتیق" ایسے ہی ہیں ——— شجاع، کریم، مہمان نواز ——— گویا تمہاری مطلوبہ صفات کے حامل۔

خدیجہ نے کہا ——— ابّو بسم اللہ کیجئے ——— آپ کی رائے سے مجھے اتفاق ہے۔

۲

یہ جوڑا ——— عتیق بن عائذ مخزومی ——— اور ——— خدیجہ بنت خویلد الاسدی ——— رشتہ ازدواج میں منسلک ہو گئے ——— خوشیوں کی

گھڑیاں محض چند سالوں کی تھیں ــــ اللہ تعالیٰ نے "ہند" نامی بیٹی عطا فرمائی ــــ عتیق جلد ہی موت کی وادی میں چلے گئے ــــ خدیجہ شدید غم والم کا شکار ہوگئیں۔

اب خدیجہ کے والد نے ان کا نکاح بنو تمیم کے ایک قریشی سردار سے کیا۔ ابو ہالہ بن زرارہ ــــ اس خاوند سے اللہ تعالیٰ نے دو اولادیں بخشیں ــــ ایک بیٹا، ایک بیٹی ــــ ہند ــــ ہالہ ــــ لیکن دوسرے خاوند بھی جلد ہی اس دُنیا سے چل بسے! خدیجہ کا غم تازہ ہوگیا ــــ لیکن اس شریف خاتون نے دو خاوندوں کا صدمہ صبر سے برداشت کیا!

لیکن غم و اندوہ کے ہجوم نے ایک بار پھر خدیجہ کو گھیر لیا ــــ اس کے والد بزرگوار دنیا سے رخصت ہو گئے ــــ والد کیا دنیا سے رخصت ہوئے خدیجہ کی دنیا اندھیر ہوگئی ــــ وہ الگ تھلگ رہنے لگی ــــ اور اپنے گھر میں اپنے دو . خاوندوں کے معصوم بچّوں کی تربیت و پرورش اپنی زندگی کا وظیفہ حیات بنا لیا ــــ جہاں تک مال و دولت کا تعلق ہے، اس کی کمی نہ تھی کہ ان کے ہر دو شوہر "عتیق بن عائذ" اور "ابی ہالہ" جو بالترتیب بنو مخزوم اور بنو تمیم کے سرداروں میں سے تھے ــــ بہت مال چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔

دوسرے میاں کے انتقال کے بعد بہت سے شرفاء مکّہ نے انہیں شادی کا پیغام بھیجا۔ لیکن انہوں نے ہر درخواست رد کر دی ــــ اس کا سبب بڑا واضح تھا کہ ان کے نزدیک ایسے لوگ خدیجہ کی دولت و ثروت کے حریص تھے، اور ان کے حسن و جمال کے فریفتہ ــــ انسانی خوبیاں ان میں نہ تھیں، اور وہ ایسے لالچی لوگوں کو پسند نہ کرتی۔

تاہم ایک سوال یہ تھا کہ کیا خدیجہ، بے پناہ مال و دولت کے باوجود ایک خوش نصیب اور خوش وقت خاتون تھیں؟

اس کا جواب نفی میں ہے ـــــ وہ ایک غمزدہ اور اندر سے ٹوٹی پھوٹی خاتون تھیں ـــــ ہمیشہ فکرمند رہتیں، لوگوں سے دُور دُور ـــــ حتیٰ کہ انہوں نے اپنی عادت کے مطابق زیارتِ کعبہ اور طوافِ کعبہ کا سلسلہ بھی منقطع کر دیا ـــــ گویا:

ع گوشہ میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے ـــــ والی ان کی پوزیشن تھی۔

خدیجہ کا اس ماحول میں کریڈٹ یہ ہے کہ انہوں نے کسی بت کے سامنے کبھی کسی انداز میں تعظیم کا مظاہرہ نہیں کیا۔ اس گندگی و فسق کے کام سے وہ ہمیشہ الگ تھلگ رہیں ـــــ ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

(۳)

خدیجہ پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے، رونے دھونے میں ان کی زندگی گزر رہی تھی۔ تنہائی، لوگوں سے الگ تھلگ ـــــ بس اپنا گھر یا اپنے بچے۔

آپ کے ایک چچا زاد بھائی ـــــ ورقہ بن نوفل ـــــ نام تھا، وہ صاحب عالم و تقویٰ فرد تھے ـــــ یہودی مذہب کے علمبردار، لیکن اب اس کو ترک کر کے دینِ مسیح میں داخل ہو چکے تھے ـــــ سابقہ آسمانی کتابوں کو پڑھا ـــــ اور خوب!

ان کتابوں کے علوم و اسرار سے خوب آگاہی تھی ـــــ عرب بھر میں زہد و تقویٰ اور صلاح و نیکی کے حوالہ سے ان کی شہرت تھی۔ ایک دن خدیجہ ان کے پاس گئیں ـــــ مقصد ان کی زیارت اور حصولِ برکت کی دعا تھی

انہوں نے اپنی عزیز بہن کو دیکھا تو حیرت و تعجب میں ڈوب کر رہ گئے ـــــ کہا:

خدیجہ ـــــ تمہارا یہ حال ہے ـــــ غم واندوہ کی ماری ہوئی ـــ
تمہیں کیا ہوا؟
خدیجہ نے کہا:
"ابا کے انتقال کے بعد میں نے مسرّت و خوشی کا چہرہ نہیں دیکھا
ـــــ گو انہوں نے مال بہت چھوڑا، لیکن یہ مال ان کے
وجودِ بابرکت کا بدلہ تو نہیں"
ورقہ نے اپنا ہاتھ غایت شفقت سے خدیجہ کے کندھے پر رکھتے
ہوئے کہا:
جانِ عم! بہت جلد تم اپنے بابا سے آخرت میں ملاقات کرو
گی ـــــ پریشان نہ ہو۔
خدیجہ نے تعجب کرتے ہوئے کہا ـــــ آخرت؟ برادرِ من ـــ
یہ ہے کیا؟
ورقہ نے سمجھاتے ہوئے کہا:
"یہ وہ دوسری زندگی ہے جو موت کے بعد ہمیں نصیب
ہوگی اور اس زندگی میں اس زندگی کے اعمال کا بدلہ، ہمیں
ملے گا"
خدیجہ نے کانپتے ہوئے کہا ـــــ گویا میرے باپ ابھی زندہ
ہیں۔ (حیاتِ برزخی)
ورقہ نے کہا ـــــ ہاں، ان کی روح زندہ ہے۔ جب کہ ان
کا جسم مٹی میں مل چکا۔
خدیجہ لرزہ براندام ہوگئی ـــــ اس کا جسم کانپنے لگا ـــــ
پیشانی سے پسینہ بہنے لگا ـــــ پھر چند لمحے خاموش رہ کر انھوں نے کہا:
ابنِ عم!

"میں جب چھ سال کی بچی تھی، اس وقت سے ایک راز ہی
دل میں چھپائے پھر رہی ہوں۔ وہ آپ سے ظاہر کر کے معلوم
کرنا چاہتی ہوں کہ معاملہ کیا ہے؟"

ورقہ بولے ——— جانِ عم ——— ضرور کہو اور کسی قسم کا خوف
نہ کھاؤ۔

○

خدیجہ کہنے لگیں:

"میں چھ سال کی تھی جب میں اپنے والد کے ہمراہ کعبۃ اللہ
کی زیارت کو گئی، میں نے انہیں پتھر کی مورتیوں کے سامنے
احترام بجالاتے اور سر جھکاتے دیکھا۔
میں چھوٹی بچی تھی، اس کے باوجود مجھے تعجب ہوا ——— میں نے پوچھا:
بابا! ان پتھروں کی مورتیوں کی کیا حقیقت ہے!
بابا نے کہا ——— بیٹی یہ ہمارے معبود ہیں۔ جن کی ہم عبادت
کرتے ہیں۔
میرے تعجب کی بنیاد یہ تھی کہ ان کی عبادت ——— جو نہ نفع کے
مالک ہیں نہ نقصان کے!"

ورقہ نے بڑی خوشی و مسرت کے جذبات میں مسکراتے ہوئے
خدیجہ سے کہا:

تم نے اپنے گھر والوں میں سے کسی سے یہ بات کہی؟

خدیجہ بولی ——— ایسا تو نہیں، میں چھوٹی تھی، ان سے ڈر کے
مارے نہ جب کہا نہ بعد میں کہہ سکی ——— اب آپ سے کہہ رہی ہوں
——— آپ اپنی رائے سے مطلع فرمائیں۔

ورقہ نے کہا ——— ایسی ہی بات ہے جو تم نے کہی ——— یہ اندھے بہرے پتھر ہیں۔ نہ ان میں نفع کی قوت نہ نقصان کی۔ اور عنقریب ہمارے زمانہ میں ایک نبی مکرم مبعوث ہونے والے ہیں ——— جن کا برابر انتظار ہے ——— وہ ان بتوں کا قصّہ تمام کر کے اس زمین سے شرک و سرکشی کا نام مٹا دیں گے ———

خدیجہ نے سراپا حیرت بن کر پوچھا:

"وہ نبی کب مبعوث ہوں گے؟" ورقہ نے کہا ———

حقیقی علم تو اللہ تعالیٰ کے پاس ہے ——— تاہم کتب سابقہ یہ کہتی ہیں کہ:

"اسی زمانہ میں بہت جلد ان کا ظہور ہوگا۔ اور وہ آخری نبی ہوں گے۔"

خدیجہ نے پوچھا کہ وہ نبی کس اُمت میں سے ہوں گے؟

ورقہ بولے ——— اللہ تعالیٰ ہی صحیح علم رکھتا ہے ——— یہود کی خواہش ہے کہ وہ ہم میں سے ہو۔ لیکن کتب سابقہ کہتی ہیں کہ وہ عربی النسل ہوں گے۔

خدیجہ نے پوچھا ——— ابن عم۔ آپ نے یہ سب کیونکر پہچانا؟

ورقہ نے فرمایا ——— کہ یہودیوں کی کتاب تورات اور عیسائیوں کی کتاب انجیل میں یہ بات موجود ہے۔

خدیجہ ورقہ کے گھر سے واپس تشریف لے گئیں ——— اب ان کی سوچ کا محور یہ گفتگو تھی ——— یہ آنے والا پیغمبر تھا۔

○

ورقہ سے گفتگو کے بعد خدیجہ کو کسی قدر اطمینان میسّر آگیا، انہیں سکون

کی دولت ملی اور وہ مکہ کے تاجروں کی طرح تجارت کے دھندوں میں مشغول ہوگئیں۔

خدیجہ سال بسال دو آدمی اُجرت پر تجارت کے لیے بھیجتیں — ایک سردی میں شام کی طرف، دوسرا گرمی میں یمن کی طرف! ایک شخص کی اجرت دو اونٹوں کا سامان ہوتا — جزیرۃ العرب میں تجارت کا یہی انداز تھا۔

۴

محمد بن عبداللہ — اپنے دادا بزرگوار کے انتقال کے بعد اپنے چچا ابو طالب کے پاس مقیم تھے — وہ اپنے چچا کا اس کی تجارت میں ہاتھ بٹاتے، بکریاں اور اونٹ چرانا بھی آپ کا مشغلہ رہا۔ حتیٰ کہ آپ کی عمر مبارک ۲۵ برس ہوگئی۔

محمد بن عبداللہ — کی شخصیت مکہ بھر کی آبادی کے درمیان ایک مثالی اور سحر انگیز شخصیت تھی — آپ نے ان بتوں کی کبھی عبادت نہ کی جن کی اہلِ مکہ پوجا کرتے، شراب کو ہاتھ تک لگانے کا سوال نہ تھا۔ اور دوسرے نوجوانانِ مکہ جن لہو و لعب کے کاموں میں مشغول تھے۔ ان سے آپ کوسوں دُور تھے۔

آپ سراپا عفت و پاکیزگی — سچائی و امانت داری کا مرقع، اعلیٰ اخلاق اور پاکیزہ کردار کے حامل تھے — اہل مکہ آپ کی مردانگی و وجاہت سے ہیبت زدہ تھے۔ ساتھ ہی ساتھ آپ کے وقار، تواضع، پاکیزگیٔ معاملہ کا حد درجہ احترام تھا۔ صدق و امانت کا تو اس قدر شہرہ تھا کہ نام کے بجائے آپ "الامین" کے لقب سے پکارے جاتے۔

حضرت خدیجہ طاہرہ آپ کی معصوم و معروف صفات سے خوب واقف تھیں کہ یہ باتیں برابر ان کے کان میں پڑتیں۔ پھر اس سے بھی آگاہی

تھی کہ آپ اپنے چچا کے ساتھ شام کی طرف تجارتی سفر فرماتے ہیں۔ اور چچا کی تجارت اس وقت سے خوب چمکی ہے ——— جب سے آپ نے رفاقت اختیار کی۔

○

گرمیوں کی ایک رات خدیجہ تشریف فرما تھیں ——— ان کی مخلص سہیلی "نفیسہ بنت منیّہ" ساتھ تھیں۔ غروب شمس کے بعد مکان کی چھت پر ——— دن کی شدید گرمی کے بعد شام کے ٹھنڈے جھونکوں کا استقبال ہو رہا تھا خدیجہ کا سر جھکا ہوا تھا۔ اور وہ ایسے لگ رہی تھیں۔ جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا آدمی ہو۔

ان کی سہیلی نفیسہ نے پوچھا:

خیر ہے ——— کس بات کی سوچ ہے؟ خدیجہ نے جواب دیا کہ میں ایک عجیب معاملہ میں سوچ رہی ہوں۔

نفیسہ نے کہا، مجھ سے چھپا رہی ہو؟

خدیجہ نے جواب دیا ——— تم سے چھپانے کا سوال ہی نہیں۔ ... یہ بات ہے اس کا تعلق محمد بن عبداللہ سے ہے۔

نفیسہ بولی ——— محمد الامین سے متعلق؟ آپ کی خواہش کیا ہے؟

خدیجہ نے کہا ——— محمد الامین گاہ بگاہ اپنے چچا کے ساتھ سفر کرتے ہیں ——— میری خواہش ہے کہ انہیں پیش کش کروں کہ میرا سامان تجارت کے لیے لے جائیں ——— کہ وہ ایسے شخص ہیں۔ جن کی امانت و دیانت پر اعتماد کیا جا سکتا ہے ——— مسئلہ یہ ہے کہ میری خواہش ان تک کیسے پہنچے؟

نفیسہ نے کہا ——— یہ خواہش میں پہنچاؤں گی ——— لیکن براہِ راست نہیں کہ اس میں شرم و حیا مانع ہے، ان کے چچا ابو طالب سے بات کرتی ہو

ابو طالب کے سامنے معاملہ آیا تو انہوں نے اسے پسند کیا۔ اور محمد کریم کو اس پیش کش کو قبول کرنے کی نصیحت کی ——— محمد نے کہا ——— چچا! جو رائے آپ کی وہ میری ——— میں قبول کرتا ہوں۔

خدیجہ کی پیش کش قبول ہوئی تو انہیں احساس ہوا کہ وہ دنیا کی خوش قسمت ترین عورت ہے ——— محمد کریم نے تجارتی قافلہ کا سفر اختیار فرمایا ——— بی بی خدیجہ کے غلام میسرہ ساتھ تھے ——— تاکہ اس طویل اور پُر مشقت سفر میں محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کر سکیں۔

تجارتی قافلہ جو سامان لے کر گیا تھا وہ آپؐ نے شامی بازاروں میں فروخت کیا ——— اور اتنے بڑے نفع کے ساتھ واپس تشریف لائے کہ خدیجہ کو ایسا نفع کبھی نہ ہوا تھا۔

حضرت خدیجہ کو جناب محمد بن عبداللہ کے سفر کی کامیابی اور دوسرے واقعات پہ شدید حیرت تھی۔ اب اس خاتون کی سوچ و بچار کا زیادہ وقت اسی میں گزرتا تھا ——— کہ یہ شخص کتنا بڑا ہے اور کتنا عظیم؟

خدیجہ نے تنہائی سے آگے بڑھ کر "میسرہ" سے پوچھا کہ محمدؐ کی شخصیت کیسی ہے! اور تم نے سفر میں انہیں کیسا پایا؟

میسرہ نے کہا ——— محترمہ! میں نے اس شخص کو جود و کرم، رحمت و مودت اور شفقت میں اپنی نظیر آپ پایا۔ میں بیمار ہوتا تو وہ میری تیمارداری کرتے، تھک جاتا تو مجھے راحت پہنچاتے ——— خوراک اور پانی میں مجھے برابر کا شریک رکھتے۔ اور اس طرح کا حسنِ معاملہ کرتے گویا وہ میرے بھائی ہوں۔

میسرہ نے مزید کہا:

سب سے بڑھ کر معاملہ اس بادل کے ٹکڑے کا ہے جو سفر میں جاتے آتے اس کے سر پر سایہ فگن رہا۔ اس کی وجہ سے سورج کی حرارت یا صحرا کی تپش کا مطلق احساس نہ رہا۔

بادل کا وہ ٹکڑا مسلسل ساتھ رہا ——— جاتے ہوئے، آتے ہوئے ——— سوئی کے ناکہ کے برابر الگ نہ ہوا، اور لحظہ بھر کے لیے جدائی اختیار نہ کی ——— میسرہ کی باتیں سن کر خدیجہ کی حیرت ناکی اور بڑھ گئی۔ اور انہوں نے شوق و اشتیاق میں مزید پوچھا ——— میسرہ مزید کوئی بات ———؟

میسرہ نے کہا۔

"وہ بہت کم گفتگو کرتے، راستہ میں آرام کے لیے ہم رکتے تو وہ سب سے الگ تھلگ ہو کر نظریں آسمان میں جمائے رکھتے، خشوع کا غلبہ ہوتا۔ ہونٹ مسلسل حرکت میں ہوتے ہم سمجھ نہ سکے کہ کیا پڑھ رہے ہیں"

○

"واپسی کے دوران ہم لوگ تھوڑی دیر کے لیے رکے ——— میں اونٹ کی خوراک تیار کر رہا تھا۔ اس جگہ ایک بڑا درخت تھا۔ اسی کے نیچے محمد بیٹھے متحیرانہ نظروں سے آسمان کو دیکھ رہے تھے۔ جیسے کوئی شخص کسی نامعلوم شے کی تحقیق کر رہا ہو۔

وہاں قریب عیسائی حضرات کا گرجا تھا ——— اس میں "نسطور" نامی راہب مقیم تھا ——— وہ آیا اور مجھ سے پوچھا ——— درخت کے نیچے بیٹھنے والا نوجوان کون ہے؟

میں نے کہا کہ شرفاء قریش میں سے ایک نوجوان ہے۔

نسطور نے کہا ـــــ تم نے اس سے کوئی خاص بات محسوس کی ؟

میں نے کہا ـــــ بادل کا ٹکڑا ـــــ جو مسلسل اس کے ساتھ رہا۔

اس نے کہا ـــــ اس کی آنکھوں کی رنگت کیا ہے ؟

میں نے کہا ـــــ سیاہ آنکھیں جو بہت وسیع ہیں، ان کے سفید حصّہ میں ہلکی سی سُرخی ہے ۔

نسطور نے کہا ـــــ اس جوان کی مستقبل میں بڑی شان ہوگی ـــــ جلدی سے اس کے ساتھ مکّہ پلٹ جاؤ ۔

۵

میسرہ کی گفتگو نے جناب خدیجہ کو مسحور کر دیا ۔ وہ اب صبح و شام جناب محمد بن عبداللہ کے متعلق سوچنے لگیں ۔ اور آخر وہ کیوں غور نہ کرتیں ؟

محمد بن عبداللہ جوانانِ قریش میں سے معزّز ترین انسان تھے ، صدق و امانت اور عفت و پاکیزگی میں اپنی مثال آپ ، سبھی قریش ان کی تعظیم کرتے ، اور ان کا احترام بجالاتے کیونکہ آپ سراپا ادب و تواضع تھے اور ان تمام خرافات سے دُور جن میں وہاں کے جوان لوگ مبتلا تھے ۔

پھر وہ ایسے شخص تھے ۔ جنہوں نے تجارتی سفر میں اتنا نفع کمایا کہ اس سے پہلے اس کا سوال نہ تھا ۔

اس سفر میں بادل کا ایک ٹکڑا مستقل آپ کے سر پر رہا ۔ جس نے گرمی کی شدّت اور سورج کی تمازت سے آپ کو بچایا ۔ آپ ہی سے متعلق عیسائی پادری "نسطور" نے کہا تھا :

"کہ اس شخص کا مستقبل بہت عظیم ہے ۔ اور اس نے میسرہ کو اشارہ کیا کہ بغیر کسی تاخیر کے انہیں لے کر مکّہ پلٹ جاؤ ۔"

یہ سب باتیں خدیجہ کے لیے باعثِ حیرت و تعجب تھیں، وہ خوب سمجھ گئیں کہ یہ ایسی صفات ہیں کہ یہ اسی شخص میں پائی جاتی ہیں جو سبھی سے ممتاز ہو ـــــ اصفیاء اور پاک دامن قسم کے لوگ ایسی باتوں سے سرفراز ہوتے ہیں۔ اور یہ کہ یہ صفات ایسی ہیں جنھیں موہبت (کسی کا عطیہ) ہی کہا جاسکتا ہے ـــــ یہ کسی کی نظرِ کرم کا سوال ہے۔ خدیجہ ـــــ انہی خیالات میں گم تھیں ـــــ یوں ہی صبح و شام بسر ہو رہے تھے ـــــ تعریف و توصیف سے ان کی زبان تر رہتی، اخلاق کی بلندی کا تصوّر سامنے ہوتا، خفیہ علانیہ، نیند و بیداری ہر حال میں اسی مقدس ذات کا جلوہ سامنے تھا اور اسی کی یاد!

یہ مؤثر ترین کیفیّات ـــــ تعجب و حیرت کی دنیا ـــــ گویا یوں تھا کہ ایک سحر و جادو ہے ـــــ جس نے خدیجہ کے حواس پر قبضہ جمالیا ہے۔ اور اس کا ذہن عجائبات کی آماجگاہ بن چکا ہے۔

اس نے اپنے جی میں سوچا ـــــ میں کیوں نہ محمد سے شادی کی خواہش کا اظہار کروں؟

اس سوچ کے ساتھ ہی اس کا دل ڈوبنے لگا۔ پھر وہ اضطراب و بے چینی میں ڈوب گئیں۔ اور جی ہی جی میں کہنے لگیں۔

یہ ایسا آسان معاملہ نہیں ـــــ عملی دنیا سے اِدھر ہی محض ایک خیال ـــــ ایک آرزو، ایسے دل کی جو گرم انگیٹھی کی مانند ہے۔ اور وہ اس روش اور امن و سلامتی کے حالات سے بحث کر رہا ہے ـــــ یہ محض وہم ہے ـــــ بالکل وہم ـــــ ایسا کیسے ممکن ہے؟

ایک اندھیری رات میں محمد بن عبداللہ کی سوچ میں خدیجہ ڈوبی ہوئی تھیں ـــــ حالت یہ تھی کہ ان حالات سے نکلنا گویا مشکل ہے ـــــ کہ دروازہ کھٹکھٹایا گیا ـــــ خدیجہ چونکی۔

ارے تم کون ہو؟ ——— اُف، وہ تو خدیجہ کی ہمشیرہ "ہالہ"
تھیں، بڑے عرصہ بعد خدیجہ کو ملنے آئی تھیں ——— انہیں دیکھ کر خدیجہ نے خوشی و مسرت سے کہا:

پیاری بہن ہالہ ——— تمہارا آنا مبارک۔

ہالہ نے بھی خدیجہ کو محبت سے پکارا، اور گرم جوشی کا مظاہرہ کیا۔

خدیجہ نے کہا ——— باجی، اچانک آپ کی زیارت؟

ہالہ بولی ——— ہاں ——— بس اس لیے چلی آئی کہ تمہیں دیکھ لوں اور تمہارے اطمینان کا سامان کرسکوں؟

خدیجہ نے ان فقرات پر تعجب کرتے ہوئے کہا:

باجی! یہ عجیب سی باتیں ہیں، آپ میرے معاملہ میں کسی خوف کا شکار ہیں۔

○

ہالہ نے اپنی پیاری بہن کو بدقت نظر دیکھا اور کہا:

نہیں، نہیں ایسی بات نہیں ——— البتہ آج دوپہر میں لیٹ گئی ——— تو میں نے تمہیں دیکھا کہ تم اندھیرے دروازوں میں چلی جارہی ہو ماحول سخت گرم ہے ——— ایک شخص کو دیکھا جو تمہارے پیچھے چلا آ رہا ہے ——— خدیجہ، آگے بڑھو ——— آگے۔

اس عجیب و غریب خواب کی تفسیر میری سمجھ میں نہ آئی تو میں صورتِ حال معلوم کرنے چلی آئی۔

خواب سن کر خدیجہ کے رخسار کھل اُٹھے ——— زیرِلب مسکراہٹ نے اسے گھیر لیا، خوشی کا اظہار واضح تھا۔

خدیجہ بولی:

باجی ــــ آجکل میں ایک ایسے غم کا شکار ہوں اور ایسی سوچ مجھ پر طاری ہے۔ جس نے مجھ پر تسلّط جما لیا۔

ہالہ بولی ــــ بات کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ تمہارے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ــــ پھر؟

خدیجہ نے کہا ــــ محمد بن عبداللہ کے متعلق آجکل میں مسلسل سوچ رہی ہوں، ان کی عظیم شخصیت۔ بلند صفات ــــ جو کسی دوسرے قریشی میں نہیں پائی جاتیں ــــ ہالہ نے پوچھا، اصل بات کیا ہے؟

خدیجہ نے کہا ــــ چاہتی ہوں کہ وہ میرے شریکِ زندگی ہو جائیں۔

ہالہ نے کہا ــــ پھر گھبراہٹ کیسی ــــ بات کرلو۔

لیکن خدیجہ مضطرب ہو گئی، بہت ہی پست و نحیف آواز میں بولی ــــ ڈر ہے کہ میری بات رد نہ ہو جائے۔

ہالہ نے کہا ــــ تمہارے جیسی شریکِ حیات کو رد کون کرے گا؟

خدیجہ نے کہا ــــ وہ کم تو نہیں، قریش کے شریف ترین اور عظیم ترین جوان ہیں۔

ہالہ بولی ــــ بہن تم بھی ایسی ہی ہو ــــ عظیم، شریف۔

خدیجہ نے کہا ــــ لیکن میں دو مرتبہ شادی کر چکی، وہ کنوارے ہیں، میری عمر ۴۰ برس وہ ۲۵ برس کے، وہ کب اس بات کو قبول کریں گے کہ اپنی ماں کی عمر کی عورت سے شادی کریں ــــ میرے دو خاوند انتقال کر چکے ــــ دونوں کی اولاد ہے۔

دو بہنیں چند لمحات کے لیے خاموش ہو گئیں ــــ پھر ہالہ نے سکوت توڑا اور کہا:

"تمہارا اور محمد کا تجارتی معاملہ کیسے ہوا؟" خدیجہ نے کہا ـــــ میری سہیلی نفیسہ نے یہ کام کرایا۔

ہالہ جیسے خوشی سے اچھل پڑی اور کہا، پیاری بہن ـــــ اب بھی نفیسہ اس معاملہ میں ثالث کا کردار ادا کر سکتی ہے ـــــ یہ کہا اور ہالہ لوٹ گئیں۔

۶

ہالہ کی ملاقات گویا امید کی کنجی تھی ـــــ اگلی ہی صبح نفیسہ آدھمکی ـــــ رات کی ساری گفتگو خدیجہ نے اپنی سہیلی کو بتلائی اور نفیسہ سے جیسے کہہ رہی ہوں کہ:

"اب معاملہ تمہارے ہاتھ میں ہے۔"

نفیسہ نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اسی وقت ابو طالب کے گھر کی راہ لی ـــــ جہاں محمد بن عبداللہ قیام پذیر تھے۔ اس خاتون نے گفتگو شروع کی۔

محمد ـــــ آپ ماشاء اللہ تعالیٰ ۲۵ برس کے ہو گئے اور ہنوز کنوارے ہیں ـــــ شادی کی لذتوں سے نا آشنا۔

محمد کریم نے متعجب ہو کر پوچھا ـــــ نفیسہ، اس گفتگو کا مقصد؟

نفیسہ ـــــ ایک شریف زادی آپ سے شادی کی متمنی ہے؟

محمد کریم ـــــ وہ کون ہیں؟

نفیسہ ـــــ وہ خدیجہ بنت خویلد ہیں ـــــ ان کے حسب و نسب اور شرافت و عفت سے آپ خوب واقف ہیں۔

محمد ـــــ اس میں شک نہیں وہ واقعی شریف ہیں، لیکن میرے پاس مال نہیں کہ شادی کا بوجھ اٹھا سکوں۔

نفیسہ نے کہا ـــــ وہ مہر کی طلبگار نہیں، تمہاری طلبگار ہیں، آپ جانتے ہیں کہ ان کے پاس مال کی کمی نہیں۔

محمد کریم نے فرمایا ـــــ ثروت میری بھی مطلوب نہیں ـــــ کہ مال فنا ہونے والی چیز ہے۔

نفیسہ نے کہا ـــــ خدیجہ بھی مادی نعمتوں سے بلند تر خاتون ہے اس کا مطلوب بھی کچھ اور ہے ـــــ باقی ۴۰ برس کی ہو کر بھی ان کا حسن و جمال ایک آزمائش ہے۔

محمد کریم ـــــ سوچ میں پڑ گئے ـــــ پھر فرمایا ـــــ اچھا اس معاملہ میں چچا سے بات کر لوں؟

○

محمد کریم نے چچا سے بات کی تو انھوں نے کہا:

"بیٹے ـــــ یہ خود بخود اللہ تعالیٰ کی طرف سے گھر چل کر آنے والی نعمت ہے۔ مجھے قسم ہے کہ خدیجہ سے بڑھ کر مکہ میں کوئی عورت پاک دامن نہیں، اس کی عقل کا جواب نہیں، سنجیدگی کے اعتبار سے عظیم تر اور حسب و نسب کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر!

بہت سے بہادر اور معزز لوگ اسے پیغام نکاح بھیج کر مایوس ہو چکے ہیں۔ اور تمہیں وہ خود چاہتی ہیں ـــــ باوجودیکہ آپ کے پاس مال نہ ہونے کے برابر ہے ـــــ اس نعمت کو ضائع کرنا روا نہیں۔

جان برادر! جلدی کرو اور شادی کر گذرو، وہ تمہاری چچا بننے والی ہے اور اس رغبت و طلب میں اس کا کوئی لالچ نہیں بلکہ صرف اور صرف ایثار ہے اور عشق تمہاری ذات کے لیے!

چنانچہ شادی ہوگئی ——— محفل نکاح میں ابو طالب نے خطبہ دیا اور کہا:

"لوگو! میرے جانِ برادر "محمد"، ایسے شخص ہیں کہ قریش میں شرافت، اخلاق فاضلہ اور مروّت کے اعتبار سے ان سے بڑھ کر کوئی نہیں ——— رہ گیا یہ سوال کہ ان کے پاس مال کی کمی ہے تو یہ ایسی بات نہیں، کیونکہ مال آخر ہے کیا ——— ایک بے حقیقت چیز، جو جلدی ساتھ چھوڑ دیتی اور زائل ہو جاتی ہے ——— وقتی فریب کا سہارا ضرور ہے اور بس"

یوں شادی کا معاملہ انجام کو پہنچا ——— سیّدہ خدیجہ کے گھر جانور ذبح کئے گئے، ساری قوم نے جہاں دعوت میں شرکت کی وہاں تکّہ بھر کے محتاج اور نادار بھی شریکِ محفل تھے۔

○

شادی کے پہلے سال اللہ تعالیٰ نے انہیں ایک فرزند عطا کیا ——— القاسم ——— میاں بیوی ہر دو بے حد خوش تھے۔ انہوں نے ایک عظیم دعوت کی، جس میں سبھی قریشی بصد مسرّت و خوشی شریک ہوئے ——— اسی صاحبزادے کی نسبت سے حضور اقدس "ابو القاسم" کی کنیّت سے مشہور ہوئے ——— لیکن یہ فرزند دوسرے ہی سال میں تھا کہ موت نے اس پھول کو اچک لیا ——— رنج و ملال طبعی بات تھی۔ لیکن میاں بیوی نے اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر صبر سے کام لیا۔

اس کے بعد سیّدہ زینب پیدا ہوئیں ——— پھر جناب رقیہ ——— یہ بچی حسن و خوبصورتی میں اپنی ماں کا عکس تھی۔ بعد ازاں جناب اُمّ کلثوم پیدا ہوئیں اور پھر فاطمۃ الزہراء ——— یہ بچی چال و گفتگو میں اپنے ابا سے

بہت مشابہ تھی۔

۷

سیّدہ خدیجہ نے ـــــ اپنے شوہر گرامی کے لیے گھر میں ہر طرح راحت و آرام کے اسباب فراہم کئے۔ سیّدہ، حضورِ اقدس کی وفا شعار بیوی بھی تھیں اور مادرِ مہربان کا کردار ادا کرنے والی خاتون بھی، قابلِ احترام بہن بھی، اور ایک ایسی غمگسار دوست بھی، جس کے رواں رواں میں محبّت و قربانی کوٹ کر بھری ہوئی تھی ـــــ اس وفا شعار بیوی نے اپنے خاوند کے لیے جس ایثار و قربانی کا مظاہرہ کیا۔ اس سے قبل کسی بیوی نے نہ کیا ہوگا ـــــ اور بعد میں بھی نہیں۔ خدیجہ نے امکانی حد تک اسبابِ راحت کا اہتمام کیا ـــــ ایک دن وہ حضورِ اقدس کے کمرہ میں آئیں، ان کے ساتھ ایک بچہ تھا ـــــ غلام ـــــ نہایت درجہ با اخلاق اور نرم خُو ـــــ سیّدہ نے کہا:

"ابوالقاسم! یہ غلام آپ کے لیے ہبہ، تاکہ یہ ننھا آپ کی خدمت کرے۔"

محمد کریم نے اس بچّہ کو دیکھا تو اس کے چہرہ بشرہ میں شرافت و ذکاوت کے آثار دیکھے ـــــ آپ نے پوچھا:

بیٹے تمہارا نام؟ ـــــ اس نے کہا "زید بن حارثہ" ـــــ قبیلہ کلب سے میرا تعلق ہے، بعض بدوؤں نے مجھے اچک لیا ـــــ اغوا کر لیا ـــــ اور مکّہ لا کر عکاظ کے بازار میں بیچ ڈالا۔

حضورِ اقدس اس بچّہ سے بہت خوش ہوئے ـــــ اس کو گھر میں عزیزانہ طور پر رکھا ـــــ زید کا یہ حال تھا کہ وہ محمد کریم کے لیے سب سے بڑھ کر عزیز و محبوب تھے۔

نبی محترم رات دن اپنے کمرہ میں تشریف فرما رہتے ـــــ بہت کم وہاں سے نکلتے ـــــ رات بھر عبادت کا سلسلہ رہتا۔ اپنے رب کی معرفت میں غور و فکر آپ کا مشغلہ تھا، اللہ تعالیٰ کی حمد میں تسبیح کناں ـــــ رب کریم کی معرفت کے لیے ہر دم کوشاں اور اس تک پہنچنے کی تدابیر ـــــ دعا، عبادت، پاکیزگیٔ قلب اور ایمان کی گہرائیوں سے!

زید بن حارثہ آپ کے احوال پر نظر رکھتے اور نہایت درجہ امانت داری محبّت اور اخلاص سے خدمت میں مشغول!

زید نے آپ سے اس طرح ٹوٹ کر محبت کی کہ کوئی کیا کرے گا، اور آپ نے اس طرح معاملہ کیا کہ اس سے بڑھ کر حسن سلوک کون کرے گا۔ آپ نے اس بچے کو لطف و محبّت اور پیار و ایثار سے بے انتہا سرفراز فرمایا:

"زید کے گھر والے تلاش کرتے کرتے آپ پہنچے ـــــ انہوں نے زید کو لے جانا چاہا ـــــ محمد کریم نے اجازت دے دی، لیکن زید نے واپسی سے انکار کر دیا ـــــ انہوں نے کہا:

"اس شخص ـــــ محمد ـــــ کو ہرگز نہ چھوڑوں گا یہ عظیم انسان ہیں، دل کے دھنی ـــــ جو آسمانی برکتوں کا حامل ہے۔ اگر تم میں سے کوئی شخص ایک دن ان کے ساتھ رہ لے تو ساری عمر ساتھ نہ چھوڑے گا۔"

سیّدہ خدیجہ کے ہی گھر میں ـــــ ان کے شوہر ثانی ابوہالہ کے فرزند ہند مقیم تھے ـــــ محمد کریم نے جس طرح اس بچے کو پیار و محبّت سے نوازا، اور جس طرح حسن معاملہ کیا، اس میں ایک حقیقی باپ کی بیٹے سے محبّت کی جھلک نظر آتی ہے ـــــ ہند جوان ہو گئے تو وہ اپنے ہمجولیوں کے ساتھ مفاخرت سے پیش آتے، ان پر اپنی بڑائی جتلاتے۔ اور ہمیشہ یہ کہتے:

"میں تمام نوجوانوں سے بہتر ہوں —— کیوں کہ میرے
باپ، ماں، بھائی اور بہن سب سے بہتر ہیں —— میرے
باپ —— محمد —— جنھوں نے میری تربیت کی،
ماں —— خدیجہ، بھائی —— القاسم —— بہنیں ——
زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ —— پس کوئی سامنے آئے
اور بتلائے کہ خاندانی شرافت و وجاہت کے اعتبار سے
مجھ جیسا کوئی ہے؟

اسی گھر میں علی بن ابی طالب بھی ۸ سال کی عمر میں آگئے تاکہ اپنے چچازاد —— محمد الامین —— کے ساتھ زندگی گزار سکیں —— محمد کریم نے چچا کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے خود علی کو مانگا تھا —— سیّدہ خدیجہ نے سیّدنا علی کو شفقت و احترام سے خوش آمدید کہا —— محبت، عزت افزائی اور رعایت و پیار اس طرح دیا کہ کوئی ماں شاید ہی حقیقی بیٹے کو دے سکے!

ایک صبح محمد کریم نے سیّدہ خدیجہ سے کہا:

"ایک غیبی آواز مجھے غار کی طرف بلا رہی ہے —— تاکہ میں کھلی فضاؤں میں اللہ تعالیٰ کو اس کے مظاہر، شمس، قمر اور کواکب و نجوم میں دیکھ سکوں"

خدیجہ نے کہا —— جو آپ کی خواہش ہو، سر آنکھوں پر ——۔
لیکن غار کون سی ہے؟

محمد کریم نے کہا —— مکہ سے ۳ میل کے فاصلہ پر واقع غار —— الحراء۔

خدیجہ نے کہا —— معاملہ دور کا ہے۔ اور آپ تنہا ہوں گے، بس اس کا ڈر ہے۔

آپ نے فرمایا ——— خدیجہ ڈرنے کی کیا بات ہے ——— اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

یہ کہہ کر پیغمبر محترم غار میں تشریف لے گئے ——— سیّدہ خدیجہ نے ضرورت کے لیے کھانا وغیرہ تیار کر دیا۔

آپ غار میں معتکف ہو کر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول رہتے ——— آسمان، کواکب، ستارے، سورج، چاند، ہوا، اور بادل نیز بارش وغیرہ کے حالات میں غور و فکر فرماتے ——— خود اپنے آپ سے سوال کرتے:

"یہ عجیب و غریب کائنات کس نے بنائی؟"

یقیناً وہ بے پناہ قوت والی قادرِ مطلق ذات ہے جس نے زندگی کو پیدا کیا اور اس ساری مخلوق کو جو نظر آ رہی ہے۔

یوں آپ برابر غار میں مصروفِ عبادت رہے ——— سیّدہ خدیجہ گھر میں تمام حالات پر نظر رکھتیں۔ اور گھر کے سارے نظام کی تدبیر فرماتیں البتہ آپ کے غار میں جانے کے سبب راحت و آرام ان کے لیے عنقا ہو گیا اور کھانا برائے نام رہ گیا ——— یہ غار بھی عجیب ہے جو سالہا سال تک محمد کریم کی عبادت اور معرفتِ رب کی کاوشوں کی شاہد و گواہ ہے ——— خدیجہ رات کو سو نہ سکتیں، وہ رات بھر محمد کریم کے فکر میں اس طرح گھلتیں گویا آپ خدیجہ کے خاوند نہیں فرزند ہیں ——— وہ برابر ایلچی بھیج بھیج کر حالات معلوم کرتیں اور ضروریات بہم پہنچاتیں اور کبھی کبھار دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر خود بھی جاتیں کہ اپنی آنکھوں سے دیکھ سکیں۔

اس میں شک نہیں کہ خدیجہ نے اپنی زندگی اور مال و دولت سب کچھ محمد کریم پر نچھاور کر دیا۔ اور اپنے آرام و عیش کو آپ کے آرام و راحت کے لیے تج دیا۔

خدیجہ طاہرہ کی تمام تر دلچسپیاں اور سوچ و فکر کا محور بس حضور کی ذات گرامی تھی کہ آپ سکھی رہیں۔ اور جس کٹھن منزل سے آپ گذر رہے ہیں۔ اس میں آپ کو بھرپور معاونت میسّر رہے ——— محبّت و شفقت کی ہر ادا آپ پر نثار تھی۔ اور ایک شخص بحدِ امکان جو رعایت و مروت برت سکتا ہے، وہ آپ پر نچھاور! یوں اللہ تعالیٰ کے ہونے والے نبی عبادت و غور و فکر کی دنیا میں ہنسی خوشی مستغرق رہے۔

○

ایک شب آپ گھر تشریف لائے ——— چہرۂ انور سے گھبراہٹ و اضطراب کے آثار ہویدا تھے ——— خدیجہ نے گرمجوشی سے استقبال کیا اور محبّت میں ڈوب کر اس حالت کا سبب پوچھا ——— کہ خیر ہے۔ آپ گھبراہٹ کا شکار ہیں!

محمد کریم نے فرمایا:

"میں پہاڑوں کے ارد گرد محوِ خرام تھا، گھاٹیوں پر چڑھ کر اس وسیع کائنات کے خالق کے معاملہ میں غور و فکر کر رہا تھا ——— اچانک ایک روشنی نمودار ہوئی۔ جس سے ساری کائنات روشن ہوگئی ——— اور ایک آواز میں نے سنی ——— کوئی کہہ رہا تھا"

یا محمد ——— یا محمد

خدیجہ نے پوچھا:

"آواز کس رُخ سے آ رہی تھی ——— آپ نے کچھ پہچانا؟"

فرمایا ——— نہیں، جب آواز سنتا، دیکھتا، کچھ نظر نہ آتا، اس سے میں گھبرا گیا۔ اور مجھ پر گھبراہٹ طاری ہوگئی۔

مجھے ڈر لگا کہ اللہ نہ کرے ـــــــ میں کاہن، شاعر یا ساحروں میں سے ہوں۔

بی بی خدیجہ نے محبّت و اخلاص سے آپ کا سر اپنی گود میں رکھ کر کہا:

"ابوالقاسم ـــــــ آپ جیسا شخص کاہن، شاعر یا ساحر نہیں ہو سکتا ـــــــ اللہ تعالیٰ کی قسم، رب العزّت، آپ کو رسوا اور ضائع نہ کریں گے ـــــــ آپ صادق ہیں، امین ہیں، طاہر ہیں، کریم ہیں، صلہ رحمی کرنے والے، محتاجوں کی مدد کرنے والے، اور پریشان حال کے لیے غمگسار!

یہ کہہ کر خدیجہ جلدی سے اپنے ابن عم "ورقہ بن نوفل" کے پاس گئیں ـــــــ اور سارا قِصّہ سُنایا۔

ورقہ نے کہا ـــــــ پیاری بہن یہ آسمان سے آنے والی خوشخبریاں ہیں ـــــــ محمد کو مبارک کہو، اور صبر و استقلال کی تلقین کرو۔

خدیجہ، سرمایۂ راحت کے سامنے گھر لوٹیں اور عرض کیا:

"رب العزّت آپ کو رسوا اور ضائع نہ کرے گا ـــــــ یہ آسمانی بشارتیں ہیں۔ بس صبر و استقامت کی شدید ضرورت ہے"

۹

محمد کریم پھر غار کی تنہائیوں میں عبادت میں کھو گئے۔ اور خدیجہ خدمت میں لگ گئیں ـــــــ خدیجہ آپ کے لیے حصار تھیں اور اپنی زندگی اور تمام نعمتوں کو آپ کے لیے قربان کر چکی تھیں۔

کئی دن بعد آپ گھر تشریف لائے، جسم کانپ رہا تھا، دانت بج رہے تھے، خدیجہ نے بازوؤں میں لے کر استقبال کیا تو ان کے کان میں

حضور اقدس کے الفاظ پڑے :

"مجھے ڈھانپ دو ـــــ مجھے ڈھانپ دو۔"

خدیجہ نے بستر میں لٹا دیا ـــــ آپ کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرنے لگیں، اور محبّت بھرے شیریں الفاظ سے تسلّی کا سامان فراہم کرنے لگیں ان الفاظ میں شفقت و پیار کی چاشنی تھی ـــــ اسی عمل میں حضور اقدس کو نیند آ گئی۔

جب آپ جاگے تو مطمئن تھے ـــــ تاہم ایک غیر مرئی خوف محسوس ہو رہا تھا۔

خدیجہ نے پوچھا ـــــ ماجرا کیا ہے ـــــ فرمایا :

"میں پہاڑوں کے کھوہ میں مصروفِ عبادت تھا، ایک بے حد سفید چاندنی آسمان میں چمکی ـــــ میں مضطرب ہو گیا۔"

پھر میں نے آسمان سے اُترتی ایک شخصیّت کو دیکھا ـــــ وہ میرے قریب تر ہو گئی ـــــ اور میری گھبراہٹ بڑھ گئی۔ لیکن اس نے مجھے سینہ سے لگا کر بھینچا ـــــ شدید طریق سے ـــــ اور کہا ـــــ پڑھ!

میں نے کہا ـــــ "میں پڑھا ہوا نہیں" ـــــ قرأت سے نا آشنا۔

بار دگر ایسا ہی ہوا ـــــ تیسری مرتبہ تو حد ہو گئی ـــــ قریب تھا کہ میری ہڈیاں چٹخ جائیں ـــــ اور کہا :

اقرء باسم ربك الذی خلق

خلق الانسان من علق

اقرء وربك الاكرم ۔ الذی

علّم بالقلم علّم الانسان مالم یعلم! [1]

سیدہ نے جو سنا اس پر وہ کھِل اُٹھیں ——— بھاگم بھاگ "ورقہ" کے پاس تشریف لے گئیں، اور سارا قصّہ کہہ سُنایا۔

ورقہ نے کہا ——— خدیجہ! تمہیں صد ہزار مبارک ——— یہ وہی ناموسِ اکبر ہے ——— "جبریل" ——— جو کبھی موسیٰ و عیسیٰ (علیہما السلام) پر اُترا تھا ——— اس میں شک نہیں کہ محمد ——— صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس امّت کے نبی ہیں۔

خدیجہ پلٹ کر جلدی سے گھر آئیں، ان کے رخساروں میں شرف و مجد اور ہمیشہ کی عزّت کا احساس ٹپک رہا تھا۔

خدیجہ اپنے سید و آقا کے بستر کے قریب گئیں، تو دیکھا کہ آپ کا پورا جسم معطر و عنبریں ہے ——— ایک لحظہ گزرا تو انہوں نے سنا ——— حضورِ اقدس فرما رہے ہیں ——— خدیجہ ——— جبریل آئے اور یہ سُنا گئے۔

یٰاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ——— قُمْ فَاَنْذِرْ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ——— وَثِیَابَكَ فَطَهِّرْ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ——— وَلَا تَمْنُنْ تَسْتَكْثِرُ ——— وَلِرَبِّكَ فَاصْبِرْ [2]

ترجمہ:- اے کپڑے میں لپٹنے والے! اٹھو (پھر) کافروں کو ڈراؤ؟ اور اپنے رب کی بڑائی بیان کرو، اور اپنے کپڑے پاک رکھو! اور میل کچیل دُور کرو! اور بدلہ پانے کی غرض سے احسان نہ کرو! اور اپنے رب کے لیے صبر کرو! [3]

---

[1] اس آیت کے ترجمہ کے لیے ملاحظہ فرمائیں ——— حصّہ ۲ ص ۸۱

[2] المدثر: ۱ تا ۷ [3] مولانا احمد علی لاہوری رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۹۱۹۔

خدیجہ نے یہ شیریں کلام سُنا ـــــ تو اپنا چہرہ متشکرانہ آسمان کی طرف اُٹھایا ـــــ اللہ تعالےٰ کی حمد و ثنا اور اس کے حضور جذبہ شکر گزاری سے ان کا دل لبریز تھا۔ اور ان کے چہرے سے اس کے آثار ہویدا ـــــ رہ گئی دعا ـــــ تو معلوم نہیں اس طاہرہ کائنات نے کیا مانگا۔ اور کیا فریاد کی۔

پھر حضور اقدس کو دیکھا اور کہا کہ:

"آپ تھوڑی دیر کے لیے سو جائیں اور آرام کر لیں، کیونکہ آپ بہت تھکے تھکے اور بوجھل بوجھل نظر آرہے ہیں"

حضور اقدس نے خدیجہ کی طرف نظر اٹھائی اور فرمایا:

"خدیجہ ـــــ سونے کا وقت لد گیا اور جہاد کی گھڑی آگئی۔ خدیجہ ـــــ جبریل نے تبلیغ احکامات کا حکم دے دیا ہے ـــــ اس اسلام کے احکامات کی تبلیغ کا، جس میں افراط ہے نہ تفریط۔ وہ اسلام کفر و سرکشی کو مٹا ڈالے گا"

خدیجہ نے عرض کیا ـــــ اللہ کے رسول، میں حاضر ہوں ـــــ سب سے پہلی مسلمان اور مومن میں ہوں۔ اور آپ کی رسالت و نبوت کی تصدیق کرتی ہوں۔

سیدہ کے بعد ان کی صاحبزادیوں ـــــ پھلگ صاحبزادے ہند ـــــ علی بن ابی طالب، زید بن حارثہ اور ام ایمن برکتہ ـــــ نے اسلام قبول کیا ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہن اجمعین۔

یہ سب حضرات و خواتین اسی گھر کے باسی اور پہلے مسلمان تھے۔

اب پھر نبی محترم تھے اور غارِ حراء ـــ ـ کہ وہاں وحی سے مشرّف ہو سکیں۔

ایک صبح سیّدہ خدیجہ نے ـــ خود ہی کھانا اٹھایا اور بنفسِ نفیس غار کی طرف چل کھڑی ہوئیں ۔ ـ راستہ میں ایک شخص سے آمنا سامنا ہو گیا جو پہاڑ کی گھاٹیوں میں تھا ـــ اس نے آپ سے ـــ محمد کریم کے متعلق پوچھا تو سیّدہ نے اس لیے جواب نہ دیا کہ مبادا آپ کے دشمنوں میں سے کوئی ہو، جو آپ کو نقصان پہنچانا چاہتا ہو۔

لیکن وہ شخص ـــ تو جبریل تھے ـــ انسانی صورت میں

ـــ اب جبریل جلدی سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک جا پہنچے۔ اور بتلایا کہ:

"خدیجہ راستہ میں ہیں ـــ وہ تو آپ کے لیے خورد و نوش کا سامان لا رہی ہیں۔ جب وہ آئیں تو انہیں ان کے رب کی طرف سے سلام پہنچا دیجئے، اور خوش خبری دے دیجئے کہ جنّت میں تمہارا محل تیار ہو چکا!"

اب جو خدیجہ، راہ کی مشقتوں کو برداشت کرنے کے بعد تشریف لائیں ـــ تو نبی امّی انہیں دیکھ کر مسکرائے اور فرمایا:

"خدیجہ، تمہارے لیے خوش خبری ہے ـــ جبریل آئے تھے، تمہیں تمہارے رب کے سلام کے ساتھ ساتھ جنّت کے مکان و محل کی خبر دے گئے ہیں۔"

۱۰

اب حضورِ اقدس خاموشی سے دعوت کے کام میں مشغول تھے ـــ اور اسلام میں شامل ہونے والے بہت ہی قلیل افراد تھے۔ قریش اس دعوت کے انجام سے باخبر ہو چکے تھے، اس لیے ان پر پاگل پن سوار تھا

---- انہوں نے اپنے تمام وسائل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی دعوت کے خلاف جھونک دیئے ---- حتیٰ کہ ---- اُمِ جمیل ---- ابولہب کی بیوی ---- حضور اقدس کی حقیقی چچی ---- آپ کے راستہ میں گندگی پھینک دیتی ---- سیّدہ خدیجہ کا کام نبوت کی راہوں کی صفائی تھی ---- وہ گھر سے تشریف لا کر اس کوڑا کو صاف کرتیں۔

مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان عداوت و دشمنی کی شدّت واضح بات تھی کہ وہ بدبخت بتوں کے پجاری تھے ---- لیکن خدیجہ ---- وہ خاتون ہیں، جنہیں اربابِ وفا کا سردار اور مجاہدین کا نگران کہنا چاہیئے ---- اس سعادت مند خاتون نے دعوتِ اسلام کو جانے ---- نبی کی حمایت و نصرت، آپ کے پہلو بہ پہلو کھڑا ہو کر خدمت کرنے، اور مشرکین مکّہ کے علی الرغم آپ کا ہاتھ تھامنے میں جو رول ادا کیا، اس پر طبقہ نسواں فخر کر سکتا ہے۔

قریش نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضد میں کھلی جنگ کے لیے وحشیانہ انداز اختیار کر لیا ---- مسلمان محصور ہو کر رہ گئے۔ ان تک کھانے پینے کا سامان پہنچنا مشکل ہو گیا ---- صلہ رحمی دم توڑ گئی ---- باہمی لین دین ختم ہو گیا، حتیٰ کہ بھوک اور پیاس نے ان بلانوشانِ محبّت کو موت کے منہ تک پہنچا دیا۔

نبی مکرم، اپنے رفقاء و اہلِ خاندان سمیت شعبِ بنی ہاشم میں جمع ہو گئے تا کہ کفار کی سرکشی سے محفوظ رہ سکیں۔ اس مرحلہ پر سیّدہ خدیجہ طاہرہ ایک باہمّت خاتون کے طور پر اُبھر کر سامنے آئیں ---- وہ اپنے مال میں سے ضروریاتِ زندگی خرید خرید کر محصور مسلمانوں کی کفالت کرتیں ---- اس کے ساتھ ہی انہوں نے متعدد ایسے غلام خرید کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کی خوشنودی کے لیے آزاد کر دیئے جنہیں صرف قبولِ اسلام کی وجہ سے

تکالیف کی بھٹی میں جھونکا جارہا تھا۔

سیّدہ خدیجہ نے عزم کر لیا اور اپنی تمام تر صلاحیتوں، مال اور وہ سب کچھ جو ان کے پلّے میں تھا ـــــ نبی علیہ السلام کی مدد میں کھپا دیا، اور دعوتِ دین کو پھیلانے میں بھر پور کردار ادا کیا ـــــ ایک حبہ جب تک موجود رہا، ان کے ایثار و قربانی میں بال برابر کمی نہ آئی ـــــ خدیجہ کی اس حوصلہ مندی اور ایثار و قربانی کے سبب محصور مسلمانوں کی بیڑیاں کٹ کر رہ گئیں ـــــ اور وہ سب موت کے ہاتھوں ہلاک ہونے سے محفوظ ہو گئے۔

اسلام کے پہلے سال ـــــ سیّدہ کے پیٹ سے ایک صاحبزادہ پیدا ہوا ـــــ نام تھا ـــــ عبداللہ ـــــ نبی محترم کو اس کی خوشخبری ملی ـــــ تو آپ نے اسے "الطاہر" کہہ کر پکارا ـــــ لیکن یہ پھول بھی بن کھلے مرجھا گیا۔

یہ صدمہ خدیجہ کے لیے سنگین و شدید تھا ـــــ اُدھر عمر کا تقاضا ـــــ سیّدہ بستر پر دراز ہو گئیں ـــــ بستر مرض جو بعد میں ـــــ بسترِ مرگ ثابت ہوا ـــــ سیّدہ کی بیماری کے ایام میں نبی محترم نے ان کی خدمت و تیمارداری ہر کام سے زیادہ ضروری سمجھی ـــــ یہ اعترافِ جمیل تھا۔ ان کے لطف و محبت کا ـــــ اور اسلام میں ان کی قدر و منزلت کا۔

اندوہناک رات ـــــ سیّدہ ـــــ واصل الی اللہ ہو گئیں ـــــ پیغمبر معصوم نے اپنی اہلیہ کو اپنے ہاتھوں دفن کیا۔ اور ان کی قبر پر مٹی برابر کی ـــــ قبر سے لوٹے تو حضورِ اقدس غم و اندوہ اور حزن و ملال کی تصویر تھے کہ آج زندگی کی عظیم متاع لٹ گئی ـــــ آپ مسلسل رنج و الم کا شکار رہے اور اس صدمہ کی شدت محسوس فرماتے رہے۔ حتیٰ کہ

آپ کی صحت پر اس کا اثر پڑا اور حینِ حیات اس پریشانی نے آپ کا پیچھا نہ چھوڑا۔

آپ نے بعد میں متعدد بیبیوں سے شادی کی۔ لیکن سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذریعہ جو محبت، احترام باہمی اور پیار ملا، اس کا جواب نہیں۔

سیدہ عائشہ صدیقہ حمیرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا ـــــ مثلاً آپ کی ایک اہلیہ تھیں ـــــ وہ آپ کے عزیز دوست سیدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صاحبزادی تھیں ـــــ دوسری ازواج کے مقابلہ میں کم عمر، جوان سال مرقع حسن وخوبی ـــــ دوسری ازواج کے مقابلہ میں آپ انہیں ترجیح دیتے ـــــ اللہ کے حضور آپ نے عرض کیا کہ مولا، حقوق کی حد تک میں سب سے برابر کا سلوک کرتا ہوں، لیکن دل تو وہ تیرے قبضہ میں ہے۔

ـــــ ان کے والد سیدنا صدیق کی وجہ سے بھی ان کی نازبرداری زیادہ تھی اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بعد وہ سب سے زیادہ محبوب اہلیہ تھیں ـــــ گویا خدیجہ اول ـــــ ثانی عائشہ ـــــ اور یہ خدیجہ کا حق ہے ـــــ جیسا کہ آگے آئے گا۔

سیدہ کے انتقال کے بعد حضور اقدس کی غم وپریشانی کا جو حال تھا اس سے صحابہ نے محسوس کیا کہ اس وجودِ مقدس پر ناگوار اثر نہ پڑے۔ اس لیے بعض حضرات نے عقدِ ثانی کا مشورہ دیا جو وجۂ طمانیت وتسلی ہو۔

لیکن کیا ـــــ ایک نہیں ـــــ کئی بیبیوں سے شادی کے بعد آپ خدیجہ کو بھول گئے؟

ہرگز نہیں ـــــ آپ کبھی بھی اس محترمہ کو بھول نہ سکے ـــــ ہمیشہ فضیلت کے ساتھ ان کا ذکر کرتے ـــــ تعریف فرماتے اور مزے لے کر ان کو یاد کرتے۔

سیدہ کی ہمشیرہ ـــــ ہالہ ـــــ مدینہ منورہ تشریف لائیں،

کاشانۂ نبوت پر حاضر ہو کر اندر آنے کی اجازت چاہی - جونہی آپ نے ان کی آواز سُنی ـــــ پکار اُٹھے ـــــ واہ ـــ ہالہ ـــ ان کو فوراً اندر لاؤ ـــــ یہ تو سیّدہ خدیجہ کی بہن ہیں -

سیّدہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں :

"باوجودیکہ خدیجہ قبر میں تھیں ـــــ لیکن ان کا ذکر آپ جس طرح فرماتے، اس کی وجہ سے سوکناپے کے جذبات لازماً پیدا ہوتے"

ایک مرتبہ سیّدہ عائشہ نے پیغمبر اسلام سے عرض کیا :

"آپ سیّدہ خدیجہ کا ذکر نہ چھوڑیں گے ـــــ معلوم ہوتا ہے دُنیا میں ان کے سوا کوئی عورت ہی نہیں"

پیغمبر اقدس بول اُٹھے ـــــ ہاں ہاں ـــــ ان کا ذکر ضرور رہے گا، ہمیشہ سایہ کی طرح ـــــ

عائشہ ذرا چمک کر بولیں، اس بڑھیا کے بدلے اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک بہتر عورت عطا فرمائی ـــــ پھر بھی ؟

رسولِ محترم ـــــ خاتم النبیین والمعصومین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس بات سے ناراض ہو گئے ـــــ فرمایا :

"اللہ تعالیٰ کی قسم ـــــ اس سے بہتر کوئی نہیں ـــــ نہ اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر بیوی مجھے دی ـــــ جب لوگوں نے میرا انکار کیا وہ مجھ پر ایمان لے آئیں ـــــ لوگوں نے جب جھٹلایا، اس وقت اس نے تصدیق کی ـــــ لوگوں نے مجھے محروم کیا تو اس نے اپنے مال سے میری غم خواری کا سامان کیا ـــــ اور اسی سے اللہ رب العزت نے مجھے اولاد دی ـــــ کسی اور سے نہیں ـــــ"

(سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے بہت بعد میں بیٹا عطا ہوا ——)"

بلاشبہ خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بلند ترین اور معزز ترین بیوی تھیں —— اور اسلام میں عظیم ترین خاتون ——

—— رضی اللہ تعالیٰ عنہا وعنہن ——

اہل البیت : (۴)

سیّدہ زینب

سلام اللہ تعالیٰ علیہا رضوانہ

بنی محترم کی سب سے افضل بیٹی

میری یہ بیٹی سب سے افضل ہے — جسے میری وجہ سے
بہت دُکھ اُٹھانے پڑے ۔ (کنز العمّال)

①

محمد کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بعثت سے ۱۵ برس قبل سیدہ خدیجہ بنت خویلد رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔ اس سعادت مند خاتون سے آپ کے دو فرزند پیدا ہوئے ـــــ القاسم ـــــ عبداللہ ـــــ اور یہ دونوں ہی بچپن میں انتقال کر گئے ـــــ پہلے ہجرت سے قبل اور دوسرے ہجرت والے سال ! ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہما ـــــ

اور چار بچیاں پیدا ہوئیں ـــــ زینب ـــــ رقیہ ـــــ اُم کلثوم ـــــ فاطمہ ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہن ۔

بڑی بیٹی ـــــ سیدہ زینب، ۱۲ برس کی ہوئیں، تو شرفاء قریش میں سے کئی نوجوانوں کی نگاہیں رشتہ ازدواج کے لیے ان کی طرف اُٹھنے لگیں سیدہ حسن وجمال کے اعتبار سے اپنی مثال آپ تھیں ـــــ دل ان کی طرف مائل ہوتے اور وہ توجہات کا مرکز بنتیں ـــــ شرفاء قریش میں سے کتنے ہی ایسے تھے جو اپنے قلب ونظر سے انہیں چاہتے اور خواہش رکھتے کہ ان سے ان کی شادی ہو جائے۔

اس میں تعجب کی بات اس لیے نہیں کہ وہ ایک نہایت خوبصورت، شائستہ اور با اخلاق لڑکی تھیں ـــــ محمد بن عبداللہ کی بیٹی ـــــ جو والد اور والدہ ہر دو طرف سے حسب ونسب کے اعتبار سے شریف و بے مثل تھے ـــــ قریش ان کی بے پناہ عزت کرتے، ان کی عظمت سے قریش کے دل معمور تھے ـــــ حتیٰ کہ انہوں نے آپ کو "الامین" کہہ کر پکارنا شروع کر دیا۔

اور سیّدہ زینب کی والدہ ـــــــ حضرت خدیجہ بنت خویلد تھیں قریش کی شریف ترین خاتون، مکہ کی خواتین میں سے حسین تر، سیرت و کردار کے اعتبار سے سب سے بڑھ کر اور حسب و نسب میں سب سے عظیم ـــــ اس مقدس و بابرکت جوڑے کی بچی ظاہر ہے ہر اعتبار سے اپنی مثال آپ ہو گی اور سیّدہ زینب ایسی ہی تھیں۔

سیّدہ خدیجہ کے ایک بھانجے تھے ـــــ العاص بن الربیع۔ نوجوان قریشی ـــــ ایسے قریشی جن کا حسب و نسب بہت پاکیزہ تھا، دنیائے عرب کی جوان برادری میں اس نوجوان کو باعزت مقام حاصل تھا، اس کا کردار پاکیزہ اور اس کے طور طریقے قابلِ تعریف ـــــ اہلِ مکہ میں مروّت کے اعتبار سے بہت ہی معروف ـــــ اور ہر کوئی اس نوجوان کا ذکر تعریف و تعجب سے کرتا۔

○

العاص بن الربیع کے پاس دولت بھی وافر مقدار میں تھی، دنیوی مال بے حد، جو اس نے تجارت سے کمایا، اس کی تجارت مکہ سے شام، عراق اور یمن تک پھیلی ہوئی تھی ـــــ نہایت درجہ سچا اور امانت دار تاجر تو تھا ہی، لوگوں اور اہلِ تجارت کے معاملات کو نمٹانے میں بھی وہ ذکی نوجوان ضرب المثل تھا۔

مکہ کے بڑے بڑے تاجر، تجارت کے معاملہ میں اس کے ساتھ معاہدے کرتے اور اپنے مال و اسباب کے سلسلہ میں اس پر بھرپور اعتماد رکھتے، ان خوبیوں کی وجہ سے اس نوجوان کو تاجر برادری میں بڑا مقام اور احترام حاصل تھا۔

"العاص" کی خالہ ـــــ سیّدہ خدیجہ، اس کی ان خوبیوں سے

خوب واقف تھیں، اس عزیزہ کو بہت ہی محبت و پیار سے نوازتیں، خدیجہ کا گھر العاص کے لیے ایک ایسا ٹھکانہ تھا۔ جہاں وہ طویل اور مختصر سفر کے بعد حاضری دیتا اور سکون حاصل کرتا۔ سیّدہ خدیجہ اپنے گھر میں اس نوجوان کو اس طرح خوش آمدید کہتیں۔ جس طرح کوئی ماں اپنے اکلوتے فرزند کو چاہتی ہے۔ اور اپنی آراء اور حسن تدبیر سے العاص کی مدد کرتیں ——— اور عملی زندگی کی مشکلات میں قابو پانے کے لیے اس کو مشوروں سے سرفراز فرماتیں ——— بلکہ عملاً مدد کرتیں ——— محمد کریم ——— بھی اپنے گھر میں اس عزیز نوجوان کو خوش آمدید فرماتے اور یہ ایک دن کا نہیں ہمیشہ کا معاملہ تھا ——— جب بھی وہ عزیز وہاں آتا ——— آپ اس نوجوان کو محبّت و احترام سے نوازتے اور اپنی صاحبزادیوں کو دیکھتے کہ کہ وہ اپنے خالہ زاد سے مصروفِ گفتگو ہیں ——— تو اظہارِ مسرّت فرماتے ———

اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟ آخر "العاص بن الربیع" ——— محمد بن عبداللہ کے لیے اجنبی نہ تھا ——— چند پشتوں بعد اپنے دادا "قصیّ" میں دونوں کا شجرہ نسب مل جاتا۔ اس اعتبار سے محمد بن عبداللہ کی طرح "العاص" بھی قریشی الاصل تھے ——— ہر دو گویا قریشی الاصل تھے ——— حسب کے اعتبار سے کریم و شریف ———

قصیّ کا نسبی سلسلہ ——— محمد بن عبداللہ ——— خدیجہ کے خاوند ——— زینب کے والد بزرگوار تک جس طرح پہنچتا ہے۔ اسی طرح العاص تک پہنچتا ——— جو خدیجہ کی بہن "ہالہ" کے فرزند تھے بلکہ باپ کی طرف سے بھی نسب میں اسی طرح مشارکت تھی۔

○

"ابن العاص" کا اپنی خالہ محترمہ "خدیجہ" کے گھر بار بار آنا تھا، اور ظاہر ہے کہ اس طرح اپنی خالہ زاد ہمشیرگان "زینب، رقیہ، اُم کلثوم اور فاطمہ" سے بھی ملاقات ہوتی۔

"العاص" نے محسوس کیا کہ کوئی شے ہے جو زینب کی طرف اس کی کشش کا سبب بن رہی ہے ـــــ چاروں بہنوں میں سے یہ ہی بڑی تھیں اور "العاص"، جب بھی انہیں دیکھتے یا بات کا موقعہ ملتا تو ایسے ہی محسوس ہوتا ـــــ گو کہ یہ موقعہ کبھی کبھار آتا۔ کیونکہ سیّدہ زینب جوں جوں شباب کی طرف بڑھ رہی تھیں توں توں ان پر شرم و حیا اور خوف و خشیت کا بھی غلبہ ہو رہا تھا۔ ویسے "العاص" بھی تمام تر صفات کے باوصف زینب سے زیادہ جری نہ تھے ـــــ وہ بھی ایک باحیا اور شرمیلے نوجوان تھے۔ سراپا ادب و تواضع اور نہایت ہی لطیف طبیعت کے مالک ـــــ گو کہ بھرپور جوانی مردانہ وجاہت اور ابھرتی جوانی سے سرشار تھے، لیکن شرفاء کے بچوں کی طرح حیادار بھی کمال درجہ کے تھے۔

بہرطور یہ واضح تھا کہ وہ جب بھی اپنی محترمہ خالہ کے گھر جاتے تو اپنی خالہ زاد بہن کے لیے ان کے محبّت بھرے لیکن پاکیزہ میلان اور توجّہ و رغبت میں اضافہ ہوتا اور ان کے شعور و احساس کی دنیا میں بڑھوتری رونما ہوتی ـــ۔

اُدھر زینب بی بی بھی اپنی زندگی میں اس جوانِ رعنا اور رجلِ صالح کا اکثر ذکر کرتیں ـــــ بالخصوص جب وہ سفر میں ہوتے تو وہ ہر سورج کے طلوع و غروب پر ان کی ملاقات و رویت کی خواہش ظاہر کرتیں۔

زینب کے دل و دماغ میں بھی یہ بات جم گئی تھی کہ وہ اس کی شریکِ حیات

بن کر دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں کہیں زیادہ خوش و خرم اور فائز المرام ہوں گی —— یہ ان کے دل کی کیفیت تھی، ان کی زندگی کا اوڑھنا بچھونا تھا اور نیک خواہشات تھیں۔

العاص —— کا دل بھی ٹھیک اسی طرح ساری دنیا سے خالی محض اسی کے لیے تعلّق محسوس کرتا —— اس کی زندگی کی خواہش بھی یہی تھی اور وہ بھی اپنی بامراد زندگی اسی سعادت مند خاتون سے حقیقی تعلق میں دیکھنا۔

زینب نے اپنے خالہ زاد کے اس شعور و احساس کو گویا پڑھ لیا تھا۔ ان کا میلان بھی العاص کی طرف تھا۔ اور العاص کے دل و دماغ میں زینب کے لیے جو پاکیزہ جذبات تھے اس سے وہ آگاہ ہو چکی تھیں۔

سیّدہ خدیجہ —— العاص کی خالہ محترمہ، وہ ایک تجربہ کار خاتون تھیں، باہمی محبّت و احترام کی دنیا سے خوب آشنا، اُنہوں نے ابتدا ہی میں محسوس کر لیا کہ ان کے بہن کے بیٹے کی خواہش کیا ہے؟ —— اور یہ کہ اس کے قلب و نظر کے گوشوں میں زینب کے لیے کیا احساسات ہیں اور وہ کن امیدوں اور آرزوؤں کے سہارے جی رہا ہے۔

(۲)

العاص بن ربیع لمبے سفر سے واپس آئے تو ایک صبح اپنی خالہ جان کو ملنے آئے، ان کے چہرے پر تھکاوٹ اور تکلیف کے آثار تھے۔

سیّدہ خدیجہ نے ان کی حالتِ زار کو سمجھ لیا اور پوچھا:

جانِ خواہر —— تمہیں کیا ہوا —— تمہارے چہرے پر فکر و تکلیف کے آثار ہویدا ہیں؟

العاص نے کوئی جواب نہ دیا، بلکہ وہ گھر کے صحن کے ایک کونہ میں الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئے، نگاہیں زمین پر جمالیں اور گہری خاموشی میں ڈوب گئے۔

خالہ محترمہ قریب آئیں اور نہایت درجہ پیار سے کہا :
"بیٹے - دل کی بات مجھ سے بھی چھپاتے ہو ؟"
العاص نے ہمت کر کے جواب دیا ۔ لیکن خفیف آواز میں ـــــ خالہ آپ جانتی ہیں میں کون ہوں ۔ اور میرے نزدیک زینب کا جو مقام ہے اس سے آپ آگاہ ہیں ـــــ اور وہ جس طرح میرا اکرام کرتی ہیں وہ بھی ڈھکی چھپی بات نہیں ۔
خالہ نے کہا ـــــ میں ان سب باتوں سے واقف ہوں ، لیکن تمہاری خواہش کیا ہے ؟
العاص نے کہا ـــــ خواہش یہ ہے کہ ان کا مجھ سے نکاح کر دیا جائے ۔
خالہ جان نے کہا ـــــ زینب کے بچپن ہی زمانہ سے بنی ہاشم کے نوجوان اس پر شادی کے لیے نظریں جمائے ہوئے تھے ۔ اور بعض نے تو بڑے بڑے مہر اور اعلیٰ ترین ہدایا کی پیش کش کی ۔
العاص کا سارا جسم لرز گیا ، اس پر کپکپی طاری ہو گئی ۔ اور اس نے کہا ـــــ خالہ جان ۔
ان میں سے کسی نے شادی کا پیام بھیجا ہے ۔
خالہ جان مسکرائیں اور محبت و پیار بھرے لہجہ میں کہا ـــــ میری بہن کی جان ۔
میں لگ بھگ دو سال سے اپنی بیٹی زینب کی طرف تمہاری توجہ کو دیکھ رہی ہوں ۔
اور خوب سمجھتی ہوں کہ تمہارے دل میں اس کے لیے بڑا مقام اور بڑی عزت ہے ۔
اس لیے میں نے شرفاء بنو ہاشم کے پیغامات کو رد کر دیا ۔ اور مہر کی بڑی بڑی

رقمیں اور ہدایا جو انہوں نے پیش کیے، انہیں ٹھکرا دیا۔

العاص نے خالہ کی بات سنی تو وہ خوشی سے کھل اٹھا اور کہا ــــــ

خالہ! میرے پیام کا کیا ہوگا؟

خالہ نے درمیان میں ہی بات کاٹ کر کہا ــــــ اس سے پہلے کہ تم اس کے ابا ــــــ محمد کریم ــــــ سے معاملہ طے کرلو ــــــ کوئی بات منہ سے نہ نکالو ــــــ العاص نے گھبرا کر کہا ــــــ خالہ ــــــ میرے لیے یہ معاملہ بہت مشکل ہے کہ خالو جان کے سامنے میرے لیے بات کرنا بے حد مشکل ہے، ان کی ہیبت کے سامنے کون بولے؟ میں تو ان کی عظمت و جلال کے سامنے بے بس سا ہو جاتا ہوں، اور یہ ایک دن کی بات نہیں، جب آمنا سامنا ہو، ایسا ہی ہوتا ہے۔

خدیجہ نے کہا ــــــ میں اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لیتی ہوں اور جلد ہی ان سے بات کروں گی۔

اس گفتگو کے ہفتہ بھر بعد العاص پھر آئے ــــــ تو خدیجہ نے خود ہی کہا۔

کہ میں نے تمہارے معاملہ میں زینب کے ابا سے بات کی ــــــ تو انھوں نے فرمایا۔

کہ العاص ہمارا فر بھی عزیز ہے اور فر بھی برخوردار ہے ــــــ بہت اچھا نوجوان ــــــ اور اچھے نسب والا۔

العاص نے جب یہ سنا تو خوشی سے اس طرح اچھل پڑے ــــــ گویا پرندہ ہے جو ہوا میں اڑ رہا ہے ــــــ انھوں نے ایک بڑی رقم زینب کے مہر کے لیے پیش کی ــــــ اس دور کے رواج کے مطابق اور شرفاء کے طریق کے موافق ــــــ اور خالہ نے قیمتی لباس ــــــ عطر بات وغیرہ کا اہتمام کیا ــــــ تاکہ شادی کا نظم ہو سکے ــــــ بعدازاں سیّدہ زینب

کی اپنے خالہ زاد کے ساتھ رخصتی ہوئی ــــ ظاہر ہے کہ فریقین کے لیے یہ بہت ہی خوشی اور مسرت کا موقع تھا ــــ سیدہ خدیجہ نے اپنی صاحبزادی کے لیے ایک بیش قیمت ہار کا اہتمام کیا جو ماں کا مقدس ہدیہ تھا۔ اس تقریبِ سعید پر اپنی بیٹی کے لیے۔

میاں بیوی بہت ہی خوشیوں سے رہنے لگے ــــ اللہ تعالیٰ نے ایک صاحبزادہ ــ ــ علی ــــ اور ایک صاحبزادی "امامہ" عنایت فرمائی ــــ بعد ازاں سیدہ زینب کی دو بہنیں سیدہ رقیہ اور سیدہ اُم کلثوم ــــ پیغمبرِ محترم کے چچا ابو لہب کے دو بیٹوں "عتبہ اور عتیبہ" سے منسوب ہوئیں[1] ــــ اب اس گھر میں ایک ہی بچی باقی تھی ــ سیدہ فاطمۃ الزہرا ــــ

پھر غارِ حرا میں رسولِ محترم پر وحی نازل ہوئی اور آپ کو رسالت سے نوازا گیا ــــ اور آپ اپنی قوم کی طرف اللہ تعالیٰ کے رسول ہو کر تشریف

---

[1] یہ معاملہ مختلف فیہ ہے کہ سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم کی عتبہ اور عتیبہ سے محض نسبت ہوئی یا باقاعدہ شادی کا مرحلہ آیا ــ ــ بہرحال یہ طے ہے کہ دعوتِ اسلام کے بعد کفار نے رسولِ محترم کے ہر تین نسبتی فرزندوں پر دباؤ ڈالا کہ وہ آپ کی بچیوں کو طلاق دیدیں ــــ العاص نے تو سیدہ زینب کو طلاق دینے سے انکار کر دیا۔ البتہ عتبہ اور عتیبہ نے اپنی ماں "ام جمیل" کی ضد اور ہٹ دھرمی سے مجبور ہو کر طلاق دی اس نے کہا تھا کہ اس چھت تلے میں رہوں گی یا محمد کی بیٹیاں، اور میرے تمہارے تعلق کا انحصار اس پر ہے۔ اس خاتون کا بیٹوں پر ہی نہیں خاوند پر بھی رعب داب تھا۔ اس بدبخت عورت اور اس کے خاوند کے لیے سورۂ ابی لہب نازل ہوئی۔ (علوی)

لائے ۔ اس لمحہ آپ اور کفّار و مشرکین کے درمیان رسالت محمدیہ جیسے عظیم کام کی دعوت و تشہیر کے حوالہ سے شدید چپقلش شروع ہوئی ۔

آپ پر سب سے پہلے آپ کی اہلیہ خدیجہ ایمان لائیں، چچازاد علی بن ابی طالب مسلمان ہوگئے ، تمام صاحبزادیاں اس شرف سے مشرف ہوئیں ۔ عمر میں بڑا ہونے کی طرح زینب کو اس معاملہ میں بھی بڑائی حاصل رہی —— رضی اللہ تعالیٰ عنہن ۔

قریش نے آپ کو ایذائیں دینا شروع کردیں، آپ کے راستے میں کانٹے بچھائے اور ہر طرح پریشانیوں اور اذیتوں کا سامان کیا ۔ اس معاملہ میں قیادت کی بدنصیبی —— سگے چچا — — ابولہب کی بیوی ام جمیل کا مقدر ٹھہری ۔ جس کی انتہا یہ تھی کہ اس نے اپنے بیٹوں سے محمد کریم کی صاحبزادیوں رقیہ اور اُم کلثوم کو علیحدہ کرکے باپ کے گھر بھجوایا —— وہ اس بات کو پسند نہ کرتی کہ اس کے بچوں کے سُسر محمد ہوں —— جو ان کے آبائی دین کو کارِ حماقت بتلاتے ، جھوٹے معبودوں کو کوستے اور ایک ایسے دین کی طرف بلاتے جو ام جمیل اور اس کے پورے قبیلہ اور ان کے آباؤ اجداد کے دین سے مختلف تھا ۔

۳

العاص بن ربیع طویل سفر میں تھے —— واپس آئے تو اپنی اہلیہ سیّدہ زینب کو نماز میں مشغول دیکھا ۔ نیز یہ کہ وہ قرآن عزیز کی بعض آیات پڑھنے میں مشغول تھیں —— وہ حیران ہوکر رہ گئے ، ان کی آنکھیں بہت خفیہ طریق سے اپنی اہلیہ کو دیکھتی رہیں ۔

فراغت پر العاص —— چلاّئے —— زینب یہ کیا ؟ — —

زینب نے فرمایا —— مسلمانوں والی نماز —— العاص نے کسی

کسی قدر غصّہ میں کہا ــــ تم مسلمان ہوگئیں ــــ سیّدہ نے فرمایا ــــ ہاں میں اپنے باوا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دین کو تسلیم کر چکی ــــ ایمان لا چکی ــــ میاں نے کہا ــــ لیکن میری اجازت کے بغیر؟ اہلیہ نے کہا ــــ محترم، کیسی اجازت ــــ محمد کریم میرے ابا ہیں، میں ان پر ایمان لائی ــــ ان کے دین کی میں نے پیروی کی اور میں نے یقین کر لیا کہ یہی وہ صحیح دین ہے جو ہدایت کا راستہ دکھاتا ہے اور لوگوں کو تاریکیوں سے روشنی میں لاتا ہے۔

میاں نے اہلیہ کی باتیں سنیں تو ان پر پریشانی وغم کے بادل چھا گئے حتیٰ کہ انھوں نے آگے بڑھ کر اپنے دونوں بچوں ــــ علی ــــ اور امامہ ــــ کو سینہ سے چمٹا لیا۔ اور نہایت درجہ محبّت و شوق سے انہیں چوما ــــ چند لمحے خاموشی طاری رہی ــــ بعد میں سیّدہ بولیں میرے سرتاج اور خالہ کے بیٹے! کیا آپ نے اس پر نہیں سوچا کہ میری طرح مسلمان ہوکر ــــ محمد کریم ــــ کی رسالت پر ایمان لائیں؟

میاں نے جواب دیا ــــ زوجتی وابن خالتی ــــ اس جواب میں غم کی گھٹائیں تھیں ــــ انہوں نے کہا۔

زینب میری محترمہ خالہ کی بیٹی ــــ قریش اس بات کو گوارا نہ کریں گے کہ تم اجداد و آباء کے دین کو ترک کر دو ــــ اور میں بھی قریش ہی کا ایک فرد ہوں ــــ بلکہ سادات واشراف قریش میں سے ایک ــــ!

تو تم کس طرح امید رکھتی ہو کہ میں اس طرح سابقہ دین چھوڑ کر اور تمہارے ابا کے نئے دین میں داخل ہو کر قریش کی جماعت سے نکل جاؤں۔

زینب نے کہا ــــ سادات و اشراف قریش میں سے کئی حضرات دین اسلام قبول کر چکے ــــ ان میں ابوبکر، عمر، عثمان، زبیر بن العوام اور سعد بن ابی وقاص جیسے لوگ شامل ہیں ــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہم ــــ

یہ سب حضرات قیادت و شرافت، سلامتی فکر اور صحت رائے میں مشہور ہیں —— سرتاجِ من —— آپ نہیں چاہتے کہ اسلام میں سبقت کرنے والے ان شرفاء میں سے ایک آپ بھی ہوں؟

میاں نے بیوی کی باتیں سنیں تو گہرے غم میں ڈوب کر رہ گئے اور نظریں زمین پر جم گئیں —— چند لمحات اسی طرح گزرے۔ غم و اندوہ اور خاموشی کے عالم میں —— پھر انہوں نے سر اُٹھایا اور کہا:

میری عزیزہ بیوی اور محترمہ خالہ کی بیٹی —— میں تمہارے باپ سے کینے اور دشمنی کا سوچ نہیں سکتا —— جو قریش کا حال ہے۔ لیکن نئے دین میں داخل ہو جاؤں، یہ میرے بس میں نہیں —— قریش کی ملامت کا خوف اور ان کی طرف سے عتاب و تحقیر مجھے گوارا نہیں۔

زینب نے کہا —— چھوٹے معبودوں کو ترک کر کے آسمان و زمین کے خالق کے آستانہ پر جھکنے سے وہ کس طرح تمہاری تحقیر کریں گے!

العاص نے کہا —— قریش کہیں گے کہ محض بیوی کی وجہ سے آبائی دین چھوڑ کر اسلام میں چلا گیا —— یہ بات میرے لیے برداشت کرنا ممکن نہیں۔

زینب نے کہا:

تو پھر اب میرا تمہارا دینی اختلاف واضح ہو گیا —— میں اس گھر میں آپ کے ساتھ زندگی تو گزاروں گی۔ لیکن الگ تھلگ اپنے مخصوص کمرہ میں —— بچوں کی نگہبانی اور ان کی خدمت کروں گی۔ اور اپنی اولاد کا باپ سمجھ کر تمہاری بھی خدمت کروں گی —— یا اپنی عزیزہ ترین خالہ کا بیٹا سمجھ کر حقوق بجا لاؤں گی۔

میاں نے مطلق جواب نہ دیا۔ لیکن اپنے سینہ میں غم کے بادل اور تہ در تہ

عذاب کا بوجھ اُٹھالیا ـــــ یہ اس لیے تھا کہ انہیں اپنی اہلیہ اور بچّوں سے مخلصانہ محبّت تھی ـــــ بہت ہی گہری ـــــ اور ان سے بعد و فراق مطلق گوارا نہ تھا۔

اب جب کہ العاص کی اہلیہ سیّدہ زینب ایک نیا دین قبول کر چکی تھیں ـــــ جو اس کے دین کے خلاف تھا ـــــ لیکن پھر بھی انہوں نے نہایت شریفانہ برتاؤ رکھا۔ اور بیوی اور خالہ زاد بہن ہونے کے ناطہ حقوق و فرائض کی ادائیگی میں مطلق کوتاہی نہیں کی۔

اپنی اہلیہ اور بچّوں کے لیے محبّت اور اپنے اور اہلیہ کے دین کے درمیان کشاکش کے اس ماحول کو العاص بن الربیع نے ایک بہادر اور شریف انسان کی طرح برداشت کیا۔

۴

ایک ایسی رات جب تیز ہوا چل رہی تھی ـــــ العاص اپنے گھر آئے اہلیہ کا دروازہ کھٹکھٹایا، انہوں نے دروازہ کھولا تو وہ دیوانگی سے بچّوں کی طرف بڑھے اور روتے روتے انہیں چومنا شروع کر دیا۔

اہلیہ نے پوچھا ـــــ رونے کا سبب؟ میاں نے کہا ـــــ روتا اس لیے ہوں کہ تم مجھ سے اعراض کرتی ہو ـــــ ہم ایک گھر میں رہ کر ایک دوسرے سے دُور ہیں۔

زینب نے کہا ـــــ میرے باپ محمد رسول اللہ ہیں ـــــ اور تمہارا یہ حال ہے کہ تم انکی رسالت سماوی کا انکار کرتے ہو اور اپنی قوم کے خود ساختہ دین کی تابعداری کرتے ہو ـــــ اور ضلالت و گمراہی کی راہ میں سرگرم عمل ہو ـــــ اور میں جب کہ اللہ تعالیٰ کے رسول پر ایمان لا چکی ہوں، اور مسلمان ہوں تو تم جیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے اور بتو۔

کے پجاری کے کیوں کر قریب ہو سکتی ہوں۔

العاص نے کہا ـــــ زینب مجھ سے ناراضی کا رویّہ اختیار نہ کرو۔ تمہارا اور تمہاری اولاد کا مجھ پر حق ہے ـــــ تمہارے والد بزرگوار کو میں کسی عیب سے متہم کرتا ہوں نہ ہی میرے دل میں ان کے لیے کسی قسم کی دشمنی یا کراہت ہے ـــــ لیکن میری عزیزہ از جان خالہ کی بیٹی ـــــ اپنی قوم کا اتباع نہ کروں، میرے لیے ممکن نہیں، میں ان لوگوں کی ملامت اور غیظ و غضب کو برداشت کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔

زینب نے کہا ـــــ میری عزیز خالہ کے بیٹے تم جو چاہو کرو، چاہو تو تمہارے مکان کو خالی کر دوں۔ اور اپنے لیے دوسرے مکان کا اہتمام کر کے اپنے بچوں کے ساتھ اس وقت تک قیام کر لوں، جب تک اللہ تعالیٰ کو منظور ہو! العاص نے یہ بات سُنی تو وہ لرز اُٹھا، پریشان ہو گیا اور کہا ـــــ زینب، ہرگز نہیں، ایسا مت سوچیں، میرا مکان آپ ہرگز نہ چھوڑیں۔ میں تم سے الگ تھلگ اور بچوں سے علیحدہ زندہ نہیں رہ سکتا ـــــ زینب مجھ پر رحم کھاؤ ـــــ میں بڑے عذاب اور مشکل حالات کا شکار ہوں۔

○

اس زمانہ میں اہلِ مکہ میں سے مشرکین کی دشمنی و عداوت حدِ انتہا کو پہنچ گئی ـــــ رسولِ محترم کے دشمن نہ صرف آپ کی ذات پاک کو اذیتوں کا نشانہ بناتے بلکہ آپ کے ساتھ ایمان لانا بھی ایسے ہی مشکل ترین حالات کا شکار ہونا تھا۔ رسولِ محترم کو اپنے چچا ابو طالب کے انتقال کا صدمہ برداشت کرنا پڑا ـــــ ہر چند وہ مسلمان نہ تھے۔ لیکن دشمنوں کے مقابلہ میں بہر حال حمایت کرتے تھے ـــــ اس کے ساتھ ہی سیّدہ خدیجہ ـــــ سیّدہ زینب کی والدہ انتقال کر گئیں ـــــ نیک بخت اور شریف خاتون، جس

نے اپنے جملہ وسائل اسلام کی دعوت کے لیے قربان کر دیئے تھے ۔ اور جو رسولِ محترم کے لیے اس عالمِ اسباب میں عظیم سہارا تھیں ——— ان دونوں حضرات کی موت سے رسولِ محترم نے محسوس کیا کہ آپ ایک ایسی ظاہری قوت سے محروم ہو گئے ۔ جس پر دعوتِ اسلام کے سلسلہ میں بھرپور اعتماد کیا جا سکتا تھا ۔ اور جو کفار کی دشمنیوں کے مقابلہ میں مؤثر حقیقت تھی ۔

رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی ——— اس غریب الوطن قافلہ میں سیدنا عثمان اور ان کی اہلیہ سیّدہ رقیہ بھی تھیں ——— سیّدہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و رضی اللہ تعالیٰ عنہا ۔

پھر جب رسولِ محترم اور آپ کے صحابہ نے مدینہ منوّرہ ہجرت کی اور وہاں ٹھکانہ بن گیا ۔ تو ایک قاصد کے ذریعہ مکّہ سے ہر دو صاحبزادیوں سیّدہ ام کلثوم اور سیّدہ فاطمہ کو بلا لیا ——— رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔

البتہ سیّدہ زینب اپنے میاں اور بچوں سمیت مکّہ میں تنہا رہ گئیں ۔ یہ دَور شدید پریشانیوں اور غم والم کا تھا ۔ زینب کی پیاری ماں دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں ——— اس کے علاوہ اپنی تنہائی کا شدید احساس اور اس بات کا غم کہ ان کے خاوند ہنوز اسلام سے دور تھے ——— وہ اس بات کی شدید خواہش مند تھیں کہ اپنے والد بزرگوار، رسولِ محترم، جو ہجرت کر کے مدینہ میں پہنچ چکے تھے سے ملیں، رسول اکرم کو شدید پریشانیوں کے بعد سکھ کے دن نصیب ہوئے، بیٹی وہیں جانے کی آرزو مند تھیں ——— والد گرامی اور پیاری بہنوں کی ہجرت اور ماں کی وفات کے بعد زینب کی زندگی کے دکھوں کو سمجھنا مشکل نہیں، زندگی کا یہ وہ دَور تھا ۔ جس میں غم ہی غم تھے، آنسو ہی آنسو تھے، اور اپنے مالک کے حضور دُعا و فریاد ! شاید کہ کسی دن ایسا ہو جائے کہ غم و آلام کے بادل چھٹ جائیں ۔

۵

ایک دن قریشِ کفّار کی ایک جماعت العاص بن الربیع کے پاس آئی اور اس سے کہا۔

کیا تمہاری بیوی زینب ابھی تک تمہارے یہاں ہی مقیم ہے؟

العاص نے کہا ——— ہاں ——— لیکن سوال یہ ہے کہ اس میں اعتراض کی بات کیا ہے؟

یہ میری بیوی ہیں ——— میرے بچوں "علی اور امامہ" کی والدہ ہیں۔

اُنہوں نے کہا ——— لیکن وہ اسی محمد کی بیٹی ہے۔ جس نے ہمارے دین کو حماقت کی پوٹ بتلایا اور ہمارے معبودوں کی تحقیر کی ——— العاص بن الربیع نے پوچھا ——— تمہاری کیا خواہش ہے؟

انہوں نے کہا، اس بیوی کو الگ کر دو، اور اپنے باپ کے پاس اسے بھیج دو۔

العاص نے کہا ——— یہ کبھی نہ ہوگا ——— یہ میری اہلیہ ہیں، اور اس دنیا میں میرے نزدیک ہر شے سے بڑھ کر محترم اور قیمتی ——— ہر چیز پر بھاری!

انہوں نے طعن دیتے ہوئے کہا ——— گویا آپ بھی اپنی بیوی کے باپ کے دین کے پیروکار ہیں۔

العاص نے کہا ——— ایسا نہیں، بس تو آباؤ اجداد کے دین پر ہوں۔

انہوں نے کہا ——— محمد کے چچا ابولہب کے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ نے جو کیا ——— ہے بیویوں کو علیحدہ کیا ——— تم وہ کیوں نہیں کرتے؟ چونکہ ان دونوں نے اپنے منسوب محمد علیہ السلام کی بیٹیوں رقیہ اور ام کلثوم کو الگ کر

دیا۔ لہذا تمہیں بھی ایسا ہی کرنا چاہیئے۔

العاص نے کہا ——— ایسا ہرگز نہ ہوگا ——— میری اہلیہ اپنے باپ پر ایمان لا کر حلقۂ مسلمین میں شامل ہوگئیں۔ اور ان پر ایمان لائیں تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے ——— آخر وہ اس کے والد بزرگوار ہیں اس کے باپ نے ایک نئے دین کی دعوت دی ——— تو بیٹیوں پر سب سے بڑھ کر حق تھا کہ وہ اسے قبول کرتیں ——— مسلمان ہو جاتیں قریشی وفد کے ایک فرد نے جوش وحماقت میں کہا۔

ابن الربیع ——— اس کا معنی یہ ہے کہ تم ہمیں چیلنج کر رہے ہو اپنی مسلمان بیوی کو گھر میں رکھنا ہمارے لیے چیلنج ہے، اس کی عزت و تکریم کرنا ایسا ہے گویا تم اپنے اور اپنے معبودوں کے معاملہ میں اس کی روش کو ناپسند نہیں کرتے؟

ابن الربیع نے کہا:

"میں اپنی اس تلوار کے ساتھ تمہیں چیلنج کرتا ہوں ——

اور یہ کہتے ہوئے اپنی تلوار فضا میں لہرائی ——— یاد رکھو میں اپنی اہلیہ کو اپنے گھر میں اس طرح رکھوں گا، جس طرح رکھنے کا حق ہے ——— ایک معزز ترین اور معظم ترین اہلیہ کے طور پر ——— جو لوگوں میں سب سے بڑے اور شریف و کریم انسان کی بیٹی ہے ——— گو کہ میں اس کے دین پر نہیں ہوں۔"

قریش کے وہ لوگ جو ابن الربیع سے یہ توقع رکھتے تھے کہ اپنی اہلیہ کو الگ کر کے مدینہ بھیج دیں گے ——— ان کے اور ابن الربیع کے درمیان گویا ٹھن گئی ——— اور اگر بعض سردارانِ قریش عقل مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس نزاع میں مداخلت نہ کرتے تو عمل جنگ و جدال کا چھڑنا لازم تھا ———

اس جھگڑے کی تفصیلات کا علم سیّدہ زینب کو ہوا ـــــ تو انہوں نے اپنے میاں سے کہا :

"میری عزیز خالہ کے بیٹے، میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے تمہارے اور قریش کے درمیان جھگڑا ہو بہتر یہ ہے کہ مدینہ طیبہ بھیج دو اور تم امن وامان کے ساتھ اپنی قوم کے ساتھ رہو۔"

میاں نے کہا ـــــ زینب، میری خوشیاں تمہیں پسند نہیں ؟ اور کیا میں تم پر بوجھ ہوں ـــــ یہ صحیح ہے کہ معاملہ ایسا ہے جو تمہارے لیے ناگوار ہے۔ لیکن بھگتنا تو میں نے ہے ؟ تم یہاں اپنے بچوں کے پاس ہو اور اپنے باپ کے دین پر ہو۔ کوئی رکاوٹ نہیں ـــــ پھر ایسا کیوں ؟

جہاں تک میرا تعلق ہے تو میں نہیں جانتا کہ تمہاری محبت اور قریش کے درمیان رہ نہیں سکتا ـــــ ایسی بات نہیں تم اپنی جگہ وہ اپنی جگہ ـــــ خاوند کی باتیں سن کر سیّدہ زینب کھل اٹھیں ـــــ ان کا جذبہ ترحم وشفقت بھڑک اُٹھا کہ سامنے خالہ کا بیٹا اور خاوند تھا، تاہم ایک اُلجھن ضرور تھی۔

O

ایک شدید تاریک رات میں کسی نے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا ـــــ زینب نے اندر سے آواز دی ـــــ کون ؟ ـــــ باہر سے آواز آئی۔ عاتکہ ـــــ تمہارے باپ کی پھوپھی ـــــ عاتکہ بنت عبدالمطلب۔

ـــــ زینب نے بصد مسرت خوش آمدید کہا ـــــ اور عرض کیا، آپ؟ کس طرح تکلیف فرمائی ؟

عاتکہ نے کہا ـــــ مدینہ سے خبر آئی ہے کہ محمد رسول اللہ کو اہل مدینہ

نے کلمہ اسلام و تکبیرات کی گونج میں سر آنکھوں پر بٹھایا۔ وہاں مسلمانوں کی تعداد برابر بڑھ رہی ہے۔ اور ان کی قوت میں روزانہ اضافہ ہو رہا ہے۔ زینب نے پوچھا ــــــ مکہّ میں مشرکین کس حال میں ہیں؟

ــــــ جواب ملا ــــــ اسلام پھیلنے کی وجہ سے وہ سخت قلق اور خوف کا شکار ہیں ــــــ اور سوچے بیٹھے ہیں کہ یہی شب و روز رہے تو ایک دن اُن میں اور مسلمانوں میں ضرور جنگ ہو گی ــــــ اس لیے وہ تیاری کر رہے ہیں ــــــ

زینب پکار اٹھیں ــــــ "اللہ تعالیٰ میرے باپ کے ساتھ ہیں اور مسلمانوں کو انہی کی مدد حاصل ہو گی ــــــ اللہ وہ پاک اور تنہا ذات ہے جس نے اپنے رسول کو مشرکین مکہّ کی ایذاؤں اور سرکشیوں سے بچایا ــــــ جدّہ محترمہ ــــــ آپ پریشان نہ ہوں، غم نہ کھائیں ــــــ اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہیں۔"

٦

زینب اسی حال میں زندگی گزار رہی تھیں ــــــ تنہا تنہا، بس بچے تھے اور غیر مسلم خاوند ــــــ ظاہر ہے کہ یہ زندگی خوش کن نہ تھی، اپنے ابا کے معاملہ میں ہر وقت فکرمند رہتیں، اس بات کا ڈر تھا کہ نامراد مشرکین انہیں تنگ نہ کریں ــــــ اللہ تعالیٰ سے دعاؤں میں مشغول کہ خدا میرے بابا کی مدد کرے، دین کا کلمہ بلند ہو، اسلام کا پھریرا ہر طرف لہرائے ــــــ ہر ملک اور ہر شہر میں۔

ایک صبح سیّدہ کے خاوند نے جگا کر بتلایا کہ وہ اگلی صبح مکہّ سے سفر کریں گے۔

سیّدہ نے پوچھا ــــــ کہاں کا سفر۔

جواب ــــــ میاں پر شرمندگی غالب تھی، سر زمین میں گڑا ہوا ــــــ

نہ دے سکے۔

پھر العاص اُٹھے ـــــ اپنی تلوار اور نیزہ سنبھالا، نیزہ کے سر پر نئی اَنّی لگائی۔ گھوڑے پر زین ڈالی۔ اور خورد و نوش کا سامان لگایا ـــــ تو زینب سمجھ گئیں کہ یہ سفر تو لڑائی کا سفر ہے ـــــ اُنہوں نے پوچھا

ـــــ لڑائی کے لیے جا رہے ہیں؟

العاص نے کہا ـــــ جی ہاں ـــــ زینب لرز گئیں اور پوچھا ـــــ

کس سے لڑائی؟

میاں نے کہا ـــــ مسلمانوں سے ـــــ زینب کو تعجب ہوا وہ اس جواب سے انتہا درجہ کبیدہ خاطر ہوئیں ـــــ یہ جسارت کہ آپ میرے باپ سے لڑیں گے؟ جو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں؟

میاں نے کہا ـــــ زینب، ہرگز نہیں، تمہارے باپ سے لڑائی کا سوال ہی نہیں ـــــ البتہ مسلمانوں کا ایک ایسا طبقہ جس نے قریش کے تجارتی قافلہ پر چڑھائی کی اور مال چھینا، ان سے لڑائی ہوگی۔

○

زینب نے کہا ـــــ میں سمجھی نہیں، وضاحت کریں۔

میاں نے کہا ـــــ کہ ہمارے پاس خبر آئی کہ قریش کا تجارتی قافلہ جو شام سے ابو سفیان کی سربراہی میں واپس آ رہا تھا، مسلمانوں کی اس پر نظر ہے، وہ اسے روک کر مال سمیٹنا چاہتے ہیں ـــــ اپنے تجارتی قافلہ کے بچاؤ کی غرض سے ہم جا رہے ہیں، آمنا سامنا ہوگا، تو ظاہر ہے لڑائی ہوگی۔

اس خبر سے مکہ میں کہرام تھا، عورتیں سراپا انتقام ـــــ اسی

لیے یہ اہتمام ہوا ـــــ چندے بعد خبر آئی کہ قافلہ بچ گیا۔ ابو سفیان، راستہ بدل کر نکل آئے ـــــ اب خطرہ نہیں، اور کسی اہتمام کی ضرورت نہیں ـــــ

لیکن کفار قریش جو ادھار کھائے بیٹھے تھے، انھوں نے مسلمانوں سے انتقام لینے کی غرض سے اپنا عزم تبدیل نہ کیا ـــــ ابو جہل جیسے ضدّی لوگ اڑے ہوئے تھے۔ ان کی ضد اور عناد نے یہ دن دکھایا کہ ایک بڑا لشکر ہر طرح سے مسلّح چل نکلا ـــــ قافلہ کے بچاؤ کی خبر مکّہ آجانے کے باوجود قریش نے واپسی کا پروگرام نہ بنایا، ان پر انتقام کا بھوت سوار تھا۔

سیّدہ زینب سب دیکھ رہی تھیں ـــــ ایک بڑا لشکر، جس میں ان کے میاں بھی تھے ـــــ مقصد مسلمانوں سے لڑائی تھا، ان کے قلب حزیں پر شدید چوٹ لگی، اپنے عظیم باپ کے لیے خوف نے گھیرا ڈال لیا

وہ دین حنیف جو محمد کریم کے ذریعہ انسانوں کی بہتری کے لیے آیا، اس دین کا خیال دل پر سوار ہو گیا۔

اسی پریشانی میں مشرکین مکّہ کا قافلہ ـــــ پوری طرح مسلّح ـــــ چل نکلا کہ "بدر" پر مسلمانوں سے دو دو ہاتھ کر سکیں۔ سیّدہ مکّہ میں بےقراری سے وقت گزار رہی تھیں، رات دن برابر آنسو بہہ رہے تھے ـــــ اپنے بچّوں کو دیکھتیں تو ان کا دل رنج و حسرت سے پھٹ پھٹ جاتا ـــــ خطرہ سر پر یہ تھا کہ ان کا باپ مشرکین کے لشکر میں ہے ـــــ جنگ کے نتیجہ میں بچّے یتیم ہو سکتے ہیں ـــــ ایسا نہ بھی ہو تو یہ کیا کم ہے کہ ان کا خاوند مسلمانوں کے اس لشکر سے لڑے گا، جس کے قائد سیّدہ کے والد ہیں ـــــ محمد رسول اللہ ـــــ فیا حسرتا؟

ایک صبح مکّہ میں یہ مبارک خبر پھیلی کہ بدر کے کنوئیں پر مسلمان کافروں پر غالب آگئے ـــــ باوجودیکہ مسلمانوں کی تعداد کم تھی اور کفار کے پاس نہ اسلحہ

کی کمی نہ تھی اک وزا دراہ کی ـــــ قریش اس ہزیمت و شکست کے سبب ـــــ جس کا انہیں گمان تک نہ تھا ـــــ صدمہ سے چُور چُور تھے۔

سیّدہ کو یہ خبر ملی تو ان کا دل خوشی و مسرّت سے اچھل پڑا ـــــ اللہ تیرا شکر ـــــ تو نے حق کو باطل پر غالب کیا اور مشرکین کو مسلمانوں کے مقابلہ میں شکست دی ـــــ اس خوشی کے باوجود سیّدہ زینب اپنی طبعی شرافت کے سبب اپنے خالہ زاد ـــــ خاوند ـــــ کو نہ بھولیں ـــــ اس کا کیا بنا؟ بے حد فکر تھی۔ اور جونہی فکر بڑھتی غم کی لہر چاروں پھیل جاتی ـــــ یہ معلوم نہ تھا کہ وہ زندہ بھی ہے یا نہیں؟

بچّوں کی یتیمی کے خیال سے لرز لرز کر رہ جاتیں ـــــ باوجودیکہ ان کے میاں مسلمانوں کے مقابلہ میں گئے۔ لیکن ان کی یاد کیسے بھولے ـــــ آخر اس نے حد درجہ شرافت کا ان کے معاملہ میں مظاہرہ کیا تھا ـــــ اس لیے کبھی کبھار ان کی زندگی کی خواہش دل میں پیدا ہوتی اور یہ کہ وہ زندہ بچّوں میں لوٹ آئیں ـــــ سیّدہ کے اسلام کے باوصف میاں نے کمال درجہ حسن معاملت کا مظاہرہ کیا ـــــ قریش نے سیّدہ کو الگ کرنے کا چیلنج دیا تو ابوالعاص مسلّح ہو کر سامنے آ گئے ـــــ وہ ٹوٹ کر اپنی اہلیہ سے محبّت کرتے، کمال درجہ اخلاص کا اظہار کرتے، زبانی نہیں عملی ـــــ اس لیے اس تکلیف کی گھڑی میں سیّدہ پر ان کی محبّت و اخلاص کا شدید اثر تھا۔

○

یہ گھڑی سیّدہ کے لیے عجیب کش مکش کی گھڑی تھی ایک طرف وہ مسلمانوں کی فتح و کامیابی سے بے حد خوش تھیں۔ تو دوسری طرف اپنے میاں کے لیے غمزدہ ـــــ غمزدگی کا بڑا سبب یہ بھی تھا کہ ان کے متعلق کوئی خبر نہ تھی۔ اس حالت میں جب کہ سیّدہ شدید ذہنی عذاب میں مبتلا تھیں ـــــ

جنابِ عاتکہ ـــــ رسولِ محترم کی پھوپھی ـــــ تشریف لائیں ـــــ انھوں نے نہایت ہی مسرت کے عالم میں کہا:

زینب ـــــ مبارک، مسلمان کامیاب ہو گئے ـــــ قریش کے ستّر بہادر مارے گئے، اور ستّر ہی گرفتار ہو گئے۔

سیّدہ نے کہا ـــــ مادرِ مہربان ـــــ یہ سب اللہ تعالیٰ کا کرم ہے ہاں تو میرے میاں کی کوئی خبر؟

عاتکہ نے کہا ـــــ مضطرب اور پریشان ہو کر ـــــ زینب گھبراؤ نہیں، وہ قیدی ہیں۔

زینب نے کسی قدر اطمینان سے کہا ـــــ گویا وہ مرے نہیں ـــــ سیّدہ عاتکہ نے کہا،

اور یہ کہتے ہوئے ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی ـــــ "ہاں بیٹی وہ محفوظ رہ گئے ـــــ میں خوب جانتی ہوں کہ تمھیں اپنے میاں سے کتنا قلبی تعلق ہے۔"

سیّدہ نے کہا ـــــ مادرِ مہربان ـــــ کیوں نہیں ـــــ وہ میرے خالہ زاد ہیں ـــــ علی اور امامہ کے والد ہیں، ایک بہادر اور شریف النفس انسان ہیں ـــــ ان کا دل اسلام کے معاملہ میں مطمئن ہے۔ اگرچہ وہ مسلمان نہیں ہوئے ـــــ اور گو بعد میں بھی اظہار نہ کریں، لیکن دشمن نہیں۔

ہاں تو محترمہ ـــــ ان قیدیوں سے متعلق کوئی خبر؟

عاتکہ نے کہا ـــــ ہر قیدی کے گھر والے چار ہزار درہم معاوضہ دے کر انہیں آزاد کرائیں گے ـــــ اور قریش کے کئی گھرانے اپنے نمایندے مدینہ بھیج رہے ہیں تاکہ معاوضہ دے کر اپنے قیدی آزاد کرا سکیں ـــــ عاتکہ اور زینب ـــــ ہر دو خاموش ہو گئیں ـــــ خاموشی لمبی ہو گئی۔

۸

کہ اسی اثناء میں سیدہ کے میاں العاص کے حقیقی بھائی عمرو بن الربیع آئے اور کہا :

کہ بھابی ——— میں مدینہ جا رہا ہوں ——— ہزار درہم میرے پاس ہیں تاکہ اپنے بھائی اور تمہارے میاں کو آزاد کرا سکوں۔

سیدہ نے لمحہ بھر کو سوچا اور کہا :

اے عمرو! میرے میاں کے لیے تم مال مت لے جاؤ۔

عمرو نے تعجب سے کہا ——— بھابی ، آپ چاہتی ہیں کہ میرا بھائی ——— آپ کا میاں ——— ہمیشہ قیدی رہے؟

سیدہ نے کہا ——— عمرو ، یہ بات نہیں ، بلکہ مقصد یہ ہے کہ تم اپنا مال اپنے پاس رکھو اور میرا یہ ہار رسول اللہ کے پاس بطور معاوضہ لے جاؤ اور اپنے بھائی ——— میرے میاں کو رہا کرا لاؤ۔

عمرو نے تعجب سے کہا ——— بھابی - یہ ہار بہت قیمتی ہے اور بہت ہی محبوب ، کہ یہ تمہاری والدہ سیدہ خدیجہ کا تمہاری شادی پر تمہارے لیے ہدیہ ہے ——— تم کس طرح اتنی سہولت اور آسانی سے اس کو قربان کر رہی ہو؟

زینب نے کہا ، جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو ——— یہ لو اور مدینہ چلے جاؤ۔

عمرو نے بھابی کے کہنے کے مطابق ہار لے لیا اور مدینہ چل دیئے۔ ——— وہاں پہنچ کر صحابہ کرام کی اس جماعت سے ملے جو قیدیوں کے معاملات کے ذمہ دار تھے ——— ان سے کہا :

"میں عمرو ہوں ——— العاص کا بھائی ——— اور ہار ان کے سامنے پیش کر دیا اور کہا ، یہ فدیہ اور معاوضہ ہے"۔ صحابہ نے فرمایا ——— تمہارا معاملہ رسولِ

اکرم کے ہاتھ میں ہے —— جونہی عمرو کاشانۂ نبوت میں حاضر ہوئے، ہار پیش
کیا تو آپ کی نگاہیں زینب پر جم گئیں —— خدیجہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہ
یاد آ گئیں۔ وہ کس قدر محبوب وفا شعار بیوی تھیں —— اسلام میں ان کا کتنا
بڑا مقام تھا —— پھر صحابہ سے فرمایا:

"ابوالعاص —— میرا عزیز ہے، میری بیٹی کا میاں ——
یہ ہار خدیجہ کا ہے۔ جو الکریمہ اور الطاہرہ تھیں —— اگر تم
اجازت دو تو ابن الربیع اسی طرح آزاد کر دیا جائے۔ اور ہار
زینب کو لوٹا دیا جائے۔"

صحابہ نے اجازت دے دی تو العاص رہا ہو گئے —— رسولِ محترم
نے فرمایا:

میاں —— یہ آزادی مشروط ہے۔ تم جا کر ہماری بیٹی اور اس کے
بچّوں کو ہمارے پاس بھیج دو۔

العاص نے گردن اطاعت جھکا کر وعدہ کر لیا —— لوٹ کر مکہ آئے
فرطِ محبّت سے چاہا کہ زینب کو گلے لگا لیں —— لیکن زینب الگ
ہو گئیں اور کہا:

خالد کے بیٹے —— اب میں تمہاری نہیں۔

ابن الربیع سمجھ گئے کہ زینب کیا چاہتی ہیں —— وہ غم والم کی تصویر
بن کر رہ گئے —— اپنے بچّوں کو پیار کیا اور گودی میں لے لیا۔

سیّدہ نے دیکھا اور کہا:

"تمہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول نے تمہارے
ساتھ کیا سلوک کیا؟"

العاص نے کہا —— ایک شریف و کریم انسان جو کرتا ہے وہی آپ
نے کیا۔

سیّدہ نے کہا ـــــ اس کے باوجود اپنے آباؤ اجداد کے دین پر رہو گے؟

العاص نے کچھ نہ کہا ـــــ نگاہیں زمین پر جھک گئیں، چہرہ سے خجالت و شرمندگی ٹپک رہی تھی۔

اسی طرح شب و روز گزرتے رہے ـــــ سیّدہ بچّوں سمیت مدینہ جانے کی خواہش مند ـــــ لیکن بے بس ـــــ عورت ذات بچّوں سمیت دشمنی کے ماحول میں کیسے سفر کریں؟

میاں کا یہ حال کہ وہ ان کی محبّت میں ڈوبے ہوئے ہیں، جدائی اور دوری ان پر بے حد شاق ـــــ اب العاص کے دل میں ایک کشمکش برپا ہے۔ ایک طرف اہلیہ اور بچّوں کی محبّت ـــــ ساتھ ہی رسولِ محترم کے حسنِ سلوک سے دین کی طرف قوی رغبت ـــــ دوسری طرف اپنی قوم کی تقلید اور اس بات کا خوف کہ ملامت کریں گے، حقیر جانیں گے۔ اور طنز و تشنیع سے کام لیں گے۔

۹

ایک شام ـــــ بڑی ہی حسین شام ـــــ العاص بن الربیع ـــــ اپنی اہلیہ سیّدہ زینب سے مصروف گفتگو ہیں ـــــ اپنے بچّوں سے کھیل رہے ہیں۔ انہیں گودی میں لے لے کر اچھال رہے ہیں، محبّت و شوق کی دنیا میں محو و مست اپنے بچّوں کو چوم چاٹ رہے ہیں ـــــ معاً رونے لگ گئے ـــــ اس کیفیت سے زینب پریشان ہو گئیں ـــــ انہوں نے بہت ہی شفقت بھرے لہجہ میں پوچھا۔

کیا ہوا ـــــ؟ ابن الربیع نے سیّدہ کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیے محبّت سے انہیں چوما اور کہا:

زینب ـــــ جُدائی کا وقت آگیا ـــــ سیّدہ نے کہا ـــــ یہ تو واضح ہے، آپ اپنے دین کو نہیں چھوڑتے ـــــ جو پتھروں اور بتوں کی پوجا کا دین ہے۔ تو پھر یہ اپنی مجبوری ہے۔

خاوند بولے ـــــ لیکن میں تم سے جُدائی کی ہمّت سے عاری ہوں ـ تم فی الحقیقت میری زندگی ہو۔

سیّدہ بولیں ـــــ یہ بھی ممکن ہے کہ دینِ اسلام میں داخل ہوجاؤ ـــــ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے رسول کی اطاعت و فرمانبرداری میسّر آئے گی ـــــ اپنی بیوی اور بچّوں سے فائدہ اُٹھا سکو گے۔

میاں ـــــ چپ، لیکن رونے میں ڈوبے ہوئے ـــــ آنسو رُکے تو کہنے لگے۔

زینب، تمہارا وقتِ سفر آگیا ـــــ مدینہ کو سدھارنے کا ـــــ زینب نے کہا ـــــ تنہا میں۔

میاں بولے ـــــ جی ہاں، تمہارے پدرِ بزرگوار سے میں نے وعدہ کیا وعدہ خلافی کی ہمّت نہیں۔

صبح طلوع ہوئی ـــــ سورج نکلا، زینب سفر کے لیے تیار ہو گئیں ـــــ کنانہ بن الربیع ـــــ خاوند کے بھائی ـــــ جوانانِ قریش میں سے ایک اور سرداری شان کے مالک ـــــ آگئے۔ سیّدہ ان کی معیّت میں عازمِ سفر ہو گئیں، احتیاطاً گھڑ سواروں کی ایک جماعت بھی ساتھ تھی۔

سیّدہ کی سواری آگے آگے اور گھڑ سوار پیچھے پیچھے تاکہ نگرانی و حفاظت کر سکیں۔

تاہم بعض قریشی بھڑک اٹھے کہ یہ یوں عزت و احترام سے مکہ سے نکل کر اپنے باپ کے پاس چلی جائے۔ وہ نامراد اپنے نیزوں سمیت تعاقب میں نکلے ——— "ہبار بن الاسود"، نامی ایک کافر نے اس اونٹنی کو نیزہ مارا جس پر سیدہ سوار تھیں ——— اونٹنی بدکی، ہودج گرا، سیدہ کو سر اور پنڈلی میں زخم آ گئے ——— کنانہ بن الربیع نے اپنی تلوار سے دفاع کیا۔ وہ چیتے کی طرح لپکے اور چلائے! ہبار اور اس کے رفقاء سے کہا۔

"میں تم سب کو کاٹ کر رکھ دوں گا، اگر تم زینب کے قریب آئے ـــ"

قریب تھا کہ معرکہ برپا ہو جائے لیکن سیدہ نے کنانہ سے کہا ——— تلوار نیام میں ڈال لو اور مجھے مکہ واپس لے جاؤ تاکہ میرے زخم مندمل ہو جائیں۔

کنانہ سیدہ کو لے کر مکہ لوٹ آئے ——— العاص فرقت و جدائی کے سبب بیماری کا شکار تھے ——— اپنی اہلیہ کو زخمی دیکھا تو زخمی شیر کی طرح غرائے ——— بھائیوں کو بلایا، نیزے اور ڈھالیں اٹھائے ہبار بن الاسود کی وادی کی تلاش میں جا نکلے ——— ایک نے اسے دیکھ کر نیزہ مارا جو اس کی ران میں جا لگا۔ سیدہ کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو پیغام بھیج کر واپس بلایا۔ شوہر نے بیوی کی بات مان لی ——— چند دن بعد سیدہ زینب کنانہ کی معیت میں مدینہ منورہ چلی گئیں۔

سیدہ مدینہ منورہ پہنچیں تو ابا حضور اور بہنوں اور دیگر اعزہ کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ تھا ——— تکبیر و تہلیل کی صدائیں چہار طرف گونج اٹھیں ——— ابا بزرگوار نے بیٹی کو سینہ سے لگا لیا۔ پھر ایک مکان میں رہائش کا انتظام کیا جو سرکار دو جہاں کی کوٹھڑیوں کے قریب ہی تھا، مسجد مدینہ ——— بنوی ——— میں دروازہ کھلتا۔

اب "العاص بن الربیع" تنہا مکہ کے گھر میں مقیم تھے ـــــ سیدہ زینب نہ تھیں ـــــ العاص صبح وشام انہی کی یاد میں مستغرق تھے ـــــ بچوں علی اور اُمامہ ـــــ کو یاد کرتے، تو دل ڈوب کر رہ جاتا، رنج والم کے بادل سایہ فگن ہو جاتے، یہاں تک کہ صحت خراب ہو گئی، بھائیوں کو ڈر پیدا ہو گیا کہ یہ ہلاک نہ ہو جائیں۔

سیدہ زینب کے جانے کے چند ماہ بعد العاص نے ہمت کر کے اپنا سالانہ تجارتی سفر کیا ـــــ ان کی منزل شام تھی ـــــ تاجرانِ قریش ان پر اعتماد کرتے، اور ان کی صداقت و دیانت کے معترف تھے ـــــ اس لیے بعض لوگ اپنا تجارتی سامان ان کے سپرد کر دیتے۔ جو یہ وہاں بیچ کر بدلہ میں دوسرا سامان لاتے جو کہ مکہ کی منڈی میں بکتا۔

ابن الربیع نے اب جو سفر کیا، تو بڑا قافلہ ہمراہ تھا۔ اپنا سامان بے پناہ دوسروں کا ایسے ہی۔ واپسی پر قافلہ سامان سے لدا پھندا تھا ـــــ رات کے وقت مسلمانوں کی ایک جماعت نے راستہ روک لیا۔ ابن الربیع نے رات کی تاریکی میں دوڑ لگا دی، قیدی ہونے سے بچ گئے ـــــ پریشان حال صحراؤں میں بھٹکتے بھٹکتے کچھ لوگوں کی رہنمائی میں مدینہ کو چل نکلے ـــــ ایک تاریک رات کی صبح وہاں پہنچے۔ حالت ناگفتہ بہ تھی ـــــ ہمت و تلاش کے بعد سیدہ زینب کے گھر پہنچے ـــــ تاریکی کا وقت تھا۔ خوف میں ڈوبے ڈوبے دستک دی ـــــ

اس گھڑی سیدہ زینب فجر کی نماز کے لیے وضو کر رہی تھیں۔ ایک گھبرو جوان خوف زدہ کو دیکھ کر سیدہ چلائیں۔ اور تعجب سے پوچھا ـــــ کون۔ ـــــ جواب میں کمزور آواز سنی ـــــ گویا قبر سے کوئی بول رہا ہے ـــــ میں تمہارا میاں ـــــ تمہاری خالہ کا بیٹا ـــــ زینب نے لوٹ کر دیکھا عجیب حالت کشاکش میں کانپتی آواز سے گویا ہوئیں۔

ابن الربیع ہو؟ خالہ ہالہ کے فرزند؟ تم یہاں کیسے اور کیا جذبہ یہاں

آنے کا سبب بنا؟

ابن الربیع پر بے کلی کی کیفیت طاری تھی، اس نے پریشان کن انداز میں بچوں کا پوچھا۔

سیدہ نے کہا —— وہ سو رہے ہیں۔

ابن الربیع نے کہا —— کیا مجھے اجازت ہے کہ میں تھوڑی دیر یہاں بیٹھ سکوں اور تمہارے یہاں سے زادِ راہ کے طور پر مجھے کچھ مل جائے گا؟

سیدہ نے کہا —— آپ تشریف رکھیں —— پھر سیدہ نے تازہ کھجوریں پیش کیں —— پھر سوال کیا کہ کیسے آنا ہوا؟ کیا گزری؟

ابن الربیع نے آپ بیتی سنائی اور بتلایا کہ وہ شام سے واپس آرہے تھے تجارتی سامان بہت زیادہ تھا، اپنا بھی اور دوسروں کا بھی —— یہ حادثہ رونما ہوا، میری درخواست ہے کہ مسلمانوں نے جو مال چھین لیا ہے۔ اس کی واپسی میں میری مدد کریں تاکہ میں لوگوں کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔

زینب نے خاموشی اختیار کر لی —— گویا وہ سن ہی نہیں رہیں ——

ابن الربیع کا یہ حال تھا۔ جیسے بخار زدہ آدمی ہو، اس نے روتی آواز میں کہا —— زینب، میری، میری مدد کرو —— اپنے خالہ کے بیٹے اور اپنے بچوں علی و امامہ کے باپ کو بچاؤ۔

سیدہ کا دل پسیج گیا اور فرمانے لگیں —— مسلمان، مشرکوں کا وہ مال واپس نہیں لوٹاتے جو بطور غنیمت میسر آئے۔ یہاں تو سیدھی سادی جنگ ہوئی، یہ غنیمت کا مال ہے —— اگر تم مال کی واپسی چاہتے ہو تو مسلمان ہو جاؤ اور یہیں مدینہ میں مقیم ہو جاؤ۔

ابن الربیع نے کہا —— مال تنہا میرا نہ تھا۔ اس میں ایک حصہ قریش کے

بعض تاجروں کا تھا۔ اگر میں مسلمان ہو کر مدینہ میں مقیم ہو جاؤں تو قریش کہیں گے:
"اسلام میں داخل ہو گیا ——— لیکن خیانت کر کے ——— تو کیا آپ اس بات کو پسند کرتی ہیں؟"

رسول مکرّم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد نبوی میں مسلمانوں کے ساتھ نماز ادا فرما رہے تھے ——— سیّدہ گھر کے دروازہ پر کھڑی ہو گئیں، نماز کے بعد فرمایا ——— العاص بن الربیع میرے گھر میں ہیں اور میں نے انہیں پناہ دے دی۔ سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز سنی تو سیّدہ کے گھر تشریف لے گئے ——— وہاں ابن الربیع موجود تھے ——— آپ نے پوچھا:

"کیسے آنا ہوا؟ ——— ابن الربیع گویا زمین میں گڑ گئے، ایک لفظ نہ کہہ سکے، شرمندگی و ندامت کا شدید احساس تھا۔"

سیّدہ نے سارا ماجرا سنایا ——— تو رسولِ محترم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مسجد تشریف لے گئے ——— صحابہ سے فرمایا:

"تمہیں معلوم ہے کہ ابن الربیع ہمارا قریبی عزیز ہے، میری بڑی بیٹی اس کی بیوی ہے۔ گو کہ اسلام نے ان میں تفریق ڈال دی۔ لیکن سابقہ تعلق تو ہے۔

اگر تم پسند کرو تو اسے آزاد کر دو، اس کا مال لوٹا دو، لیکن اگر پسند نہ ہو تو دباؤ نہیں مال پر تمہارا حق ہے۔"

صحابہ نے عرض کیا ——— یا رسول اللہ، بہت بہتر ——— انہوں نے ابن الربیع کو آزاد کر دیا، اس کا مال لوٹا دیا ——— اور وہ مکّہ روانہ ہو گیا۔

مکہ پہنچنے کے دوسرے ہی دن، اس نے تمام تاجروں کا مال بحفاظت ان کے سپرد کیا۔ پھر ساداتِ قریش کو جمع کر کے فرمایا:

"میں نے تمام تاجروں کا مال لوٹا دیا —— اب میں گواہی دیتا ہوں کہ میں دینِ اسلام میں داخل ہو رہا ہوں، اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا ہوں"

پھر اپنا سامان اکٹھا کیا اور مدینہ کی راہ لی —— ان کے آنے سے مسلمانوں کو بے حد خوشی محسوس ہوئی۔ وہ اپنی اہلیہ سیدہ زینب کے یہاں کامل ایک برس مقیم رہے —— اب محض میاں بیوی کا محبوبانہ تعلق ہی نہ تھا —— اسلام کا بھائی چارہ اور محبت بھی تھی۔

پھر سیدہ بیمار ہو گئیں —— اور اپنے رب کے یہاں جا پہنچیں نبی علیہ السلام اور مسلمان شدید غم زدہ تھے، رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عزیز بیٹی کو اس کی بہنوں —— سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما —— ہر دو سیدنا عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیویاں —— کے پہلو میں دفن کیا —— رضی اللہ تعالیٰ عنہن وعنہم اجمعین۔

سیدنا ابن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ —— سیدہ کے شوہر محترم —— نے اہلیہ کی قبر پر ڈیرا ڈال لیا۔ رات دن روتے، آنسو نہ تھمتے، حتیٰ کہ پیغمبر صادق اور معصوم نے اس سے انہیں روکا۔

لیکن اس غم نے جناب ابن الربیع کو ہلکان کر دیا، وہ خطرناک حد تک بیمار ہو گئے —— ان کی آخری گھڑیاں آپہنچیں —— وہ اپنے بچوں —— علی و امامہ کے کان میں کہتے:

"عنقریب میں تمہاری پیاری ماں سے جنت میں ملاقی ہوں گا ——

اس جنت میں جہاں اس کے عظیم باپ محمد رسول اللہ صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم ہوں گے ۔"

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ وبناتہٖ وامتہٖ اجمعین ورضی اللہ تعالیٰ عن جمیع الصحابۃ والصحابیات ۔

اہل البیت : (۵)

سیدہ رُقیہ ——— سیدہ اُمّ کلثوم

نبی معصوم

کی

چہیتی صاحبزادیاں

امام عادل و خلیفہ راشد ——— سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ

کی

بیویاں

(۱)

جب سیّدہ زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنے خالہ زاد بھائی العاص بن الربیع سے شادی ہوگئی۔ اور وہ اپنے والد بزرگوار کے گھر سے اپنے میاں کے گھر چلی گئیں — تو سیّدہ رقیہؓ اور اُم کلثوم — اپنی ہمشیرہ محترمہ کے فراق کے سبب رنج و محن میں مبتلا ہوگئیں۔ اور اُنہوں نے محسوس کیا کہ گھر میں سیّدہ زینب کے سبب جو رونق، چہل پہل اور بہار تھی، وہ لد گئی ہے۔ یہ شاہزادیاں — یہ نہ جانتی تھیں کہ بہت جلد — ایک دن ان کے ساتھ بھی یوں ہی ہوگا۔ ان کی شادیاں بھی ہو جائیں گی — انہیں بھی بابا کا گھر چھوڑنا پڑے گا۔ اور اپنی چھوٹی ہمشیرہ سیّدہ فاطمہ کو بعمر پانچ برس تنہا چھوڑنا پڑے گا۔ فاطمہ پھر اس طرح ہوگی کہ گھر میں اس کی کوئی بہن نہ ہوگی — بس ایک امی ہوں گی — سیّدۃ النساء خدیجہ — سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ۔

سیّدہ رقیہ اور اُم کلثوم کی شادی میں اب زیادہ وقت نہ تھا — ان کے ابّا بزرگوار — محمد کریم — کے پاس بعض سادات قریش، اُن کے اعزہ و اقارب میں سے رشتہ کے لیے آنے لگے — اور سیّد دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا — ابو لہب — کے بیٹوں — عتبہ، عتیبہ — کے لیے رشتہ کے طالب ہوئے۔

ابھی آپ کو رسالت سے سرفراز تو نہ فرمایا گیا تھا، تاہم آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مشغول تھے — اس پاک ذات کے تقرب کے حصول کے لیے سرگرم عمل — وہ ذات پاک جو کائنات کی خالق اور آسمانوں کو پیدا کرنے والی ہے۔

آپ نے دیکھا کہ آپ کے چچا — ابولہب — ہر دو صاحبزادیوں — رقیہ اور اُم کلثوم — کے رشتوں کے لیے خواہش مند ہیں۔ تاکہ

اپنے بیٹوں عتبہ اور عتیبہ کی ان سے شادی کر سکیں ـــــ محمد عربی نے اس خواہش کے قبول کرنے میں تردد نہ کیا۔

سبب واضح تھا کہ ابو لہب چچا تھے ـــــ قریش کے صاحب ثروت اور سردار تھے۔ ان کے دونوں فرزند ـــــ عتبہ اور عتیبہ شکل و صورت اور سیرت کے اعتبار سے اچھے نوجوان تھے۔ پھر یہ کہ چچاؤں میں سے وہی تھے جنہوں نے ـــــ اپنے بھائی عبداللہ کی نشانی ـــــ محمد ـــــ کی پیدائش پر سب سے پہلے عظیم الشان دعوت دی ـــــ اس خوشی میں اپنی لونڈی ـــــ ثویبہ ـــــ کو آزاد کیا ـــــ اس نیک بخت خاتون کو چند روز محمد کریم کی رضاعی ماں بننے کا شرف حاصل ہوا ـــــ ابو لہب کو یہ خبر ملی کہ مرحوم بھائی کے گھر ـــــ روشنی ہوئی ـــــ فرزند پیدا ہوا ـــــ تو اسے آزاد کر دیا۔ حضور اکرم نے ـــــ اس خواہش کو اپنی اہلیہ ـــــ سیّدہ خدیجہ کے مشورہ کے بعد قبول کیا۔ سیدہ خدیجہ نے، نبی محترم کی رغبت اور آپ کی رائے کے احترام کی وجہ سے اشارہ دے دیا۔

فی الحقیقت سیّدہ خدیجہ خوش نہ تھیں ـــــ ان کے خیال میں اس میں خیر و سعادت کا پہلو نہ تھا۔ لیکن اپنے میاں بزرگوار ـــــ محمد عربی ـــــ کی رضا جوئی کے لیے قبول کر لیا ـــــ یہ احساس تھا کہ ابو لہب ان کے میاں کے چچا ہیں ـــــ قرابتدار ہیں۔

جس طرح سیّدہ خدیجہ اس خواہش سے مطمئن نہ تھیں ـــــ شاید حضور اقدس کا معاملہ بھی ایسا ہی تھا۔ لیکن آپ نے پسند نہ کیا کہ چچا کی رائے اور خواہش کو رد کر دیں ـــــ آپ نے صلہ رحمی اور حق قرابت کا لحاظ فرمایا ـــــ

سیّدہ خدیجہ ——— اس رشتہ سے مطمئن نہ تھیں ——— تو کیوں ؟
سبب یہ تھا کہ ام جمیل ——— ابولہب کی بیوی ——— اور عتبہ و عتیبہ کی والدہ ——— ایک ایسی خاتون تھی۔ جس کا مزاج تند و تیز تھا، زبان کی سخت ——— اور یہ بات مکہ بھر میں مشہور تھی کہ گھر میں اس کے خاوند کا نہیں اس کا راج ہے، بیچے اس کے سامنے بے بس ہیں ——— وہ اپنی فطرت کے اعتبار سے سنگدل، تند خو، بدمزاج اور لوگوں کو ایذا دینے میں اپنی مثال آپ تھی۔ پھر ستم یہ کہ "اُم جمیل" سیّدہ خدیجہ سے بہت حسد کرتی ——— سیّدہ شریف النفس، باکردار، عالی مرتبت، شخصیّت کی مالک تھیں ——— قریش اور مکہ کے دوسرے جملہ قبائل میں انہیں کمال درجہ کا احترام حاصل تھا ——— یہ اسباب تھے، جن کی بنا پر سیّدہ کو ڈر اور خوف تھا کہ اُم جمیل ان کی بچیوں کو اپنی زبان درازی سے اذیت پہنچائے گی۔

ان بچیوں نے ایسے ماحول میں آنکھیں کھولیں کہ ان کے ابّا تمام لوگوں سے بڑھ کر شریف و کریم تھے نوا تیّ پاکیزگی و شرافت اور حسنِ معاملت میں اپنی مثال آپ ——— پھر وہ اُم جمیل جیسی سنگدل، ظالم، شریر الطبع خاتون کے ساتھ ایک چھت تلے کیسے گزارہ کریں گی۔

(۲)

یہ تھے وہ اسباب جو سیّدہ خدیجہ کے لیے ان رشتوں کے معاملہ میں سوہانِ روح تھے ——— اس کے باوجود سیّدہ خدیجہ نے ان رشتوں میں رکاوٹ نہ ڈالی کہ انہیں محمد کریم کی راحت کا بے حد احساس تھا۔ بالخصوص اس لیے کہ آپ غارِ حرا کی تنہائیوں میں عبادت و بندگی میں مشغول تھے۔ اور معرفتِ ربانی کے لیے سراپا جہد و عمل۔

بہرحال معاملات اپنی قدرتی رفتار سے چلتے رہے ——— حتیٰ کہ

ان دو شاہزادیوں کی نسبت ابولہب کے بیٹوں عتبہ و عتیبہ سے قرار پاگئی ——
اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معمول کے مطابق غارِ حرا کی تنہائیوں میں
جا کر عبادتِ رب میں مشغول ہو گئے ۔

○

ٹھیک انہیں ایام میں مکّہ معظّمہ میں سیّد دو عالم کی صاحبزادی کے رشتہ
کا ایک خواہش مند سامنے آیا —— نہایت شرمیلا، صلح جو اور شریف النفس
—— سیّدہ رقیہ کے رشتہ کا طالب —— وہ رقیہ جس کے ظاہری
حسن و جمال اور جس کی محبوب و کریم شخصیّت کا شہرہ تھا —— کیوں نہ ہو
سیّدہ رقیہ، اپنی ماں کے ساتھ شکل و صورت، اخلاقِ عالیہ، شرافت و
عظمت اور پاکیزگی کردار میں ہر طرح مشابہ تھیں۔
یہ صاحب کون تھے —— انتہائی شرمیلے؟
یہ ایک ایسے جوان تھے —— جن کا گھر تمام گھروں کا مرکز اور جن
کا قبیلہ، تمام قبائل میں سے معزّز ترین تھا —— تمام اغنیاءِ مکّہ میں سب سے
بڑھ کر غنی —— حتی کہ یہ کہنا درست ہے کہ سب ایک طرف، ان کا
غنا ایک طرف!
یہ عثمان بن عفان تھے —— ایسے جوان جو حسن و جمال کا مرقع،
حسب و نسب میں اپنی مثال آپ —— سیّدنا عثمان بن عفان کے ذہن
میں آیا کہ محمد کریم کی خدمت میں حاضری دے کر آپ سے آپ کی صاحبزادی
سیّدہ رقیہ کا رشتہ مانگا جائے —— باوجودیکہ انہوں نے سیّدہ کو دیکھا
نہ تھا۔ لیکن جو کچھ ان کے فضائل کے متعلق سنا تھا، ان کی وجہ سے وہ
بہت چاہتے تھے ۔
سیّدنا عثمان نہایت شرمیلے تھے، شرم و حیا کے پتلے، ذاتی طور پر

وہ یہ کام کیسے کریں؟ اور اس کی کیا تدبیر ہو؟ ـــــ ان کی ایک چچی تھیں۔
جن کا نام "سُعدی" تھا ـــــ بزرگ خاتون، صاحب الرائے اور صائب الرائے ـــــ تمام معاملات کے انجام و عواقب پر گہری نظر رکھنے والی اور حوادث روزگار کو سمجھنے والی ـــــ سیدنا عثمان ان کے پاس گئے عرض کیا ـــــ محترمہ، میری سیرت و کردار اور میری دولت مندی سے آپ واقف ہیں!

انہوں نے کہا ـــــ کیوں نہیں، میں خوب جانتی ہوں، لیکن مقصد؟
ـــــ مقصد یہ ہے کہ محمد الامین کی صاحبزادی رقیہ کا رشتہ میرے لیے مانگیں! ـــــ

محترمہ لمحہ بھر چپ ہو گئیں پھر کہا ـــــ تمہیں معلوم ہونا چاہیئے، کہ محمد الامین کی دونوں صاحبزادیوں کا رشتہ طے پا چکا۔

سیدنا عثمان ششدر رہ گئے اور پوچھنے لگے ـــــ لیکن کس سے؟
محترمہ نے جواب دیا ـــــ ابولہب کے بیٹوں سے۔

دونوں کے درمیان اب خاموشی کا عالم تھا ـــــ تھوڑی دیر کے بعد "سُعدی" نے عثمان کے چہرہ میں غم والم کے آثار دیکھے ـــــ تو کہا:

عثمان، تم خود اگر محمد الامین سے مل لو تو کیا حرج ہے؟

سیدنا عثمان نے کہا ـــــ ان سے گفتگو کا مجھ میں یارا نہیں، ان میں جو ہیبت و جلال ہے اور جو عظمت کردار ہے، وہ کسی میں نہیں ـــــ اسی لیے میں مناسب وقت پر اپنی خواہش عرض نہ کر سکا۔

سُعدی کی نظر لمحہ بھر تو زمین پر گڑ گئی، پھر انہوں نے سر اُٹھا کر کہا رقیہ انشاءاللہ تعالیٰ تمہارے ہی نصیب میں ہو گی ـــــ غم نہ کرو ـــــ

اب عثمان کے چہرے پر حیرانی و تعجب کے آثار تھے ـــــ انہوں نے پوچھا ـــــ لیکن کیسے؟ جب بقول آپ کے ان کی نسبت دوسرے سے ہو چکی تو یہ

کیوں کر ہو گا؟

محترمہ مسکرا دیں، ایسی مسکراہٹ جس میں اعتماد کا پہلو تھا ——— انہوں نے کہا۔

عثمان ——— رقیہ کے ابّا[1] ——— محمد الامین، حیات دنیوی سے کنارہ کش ہو کر عبادت اور غور و تامل کی منزل سے گزر رہے ہیں ——— یہودی اور عیسائی دنیا کے ادھر ادھر کے اہل علم کا کہنا ہے ——— عنقریب عرب میں ایک نبی ظاہر ہوں گے ——— نیا دین لے کر، جو لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لائیں گے اور عدل و خیر اور اسلام کی راہ دکھائیں گے۔

عثمان نے کمال درجہ حیرت سے پوچھا ——— محترمہ، وہ کون شخص ہو گا؟ محترمہ نے جواب دیا ——— اگر میرا گمان سچّا ہے تو وہ محمد بن عبداللہ ہی ہیں۔

سیّدنا عثمان نے حیرت سے پوچھا ——— رقیہ کے ابا؟ ———

محترمہ نے جواب دیا ——— ہاں رقیہ ہی نہیں، زینب، اُم کلثوم اور فاطمہ ——— خدیجہ کی بیٹیاں ——— سبھی کے ابّا!

سیّدنا عثمان نے پھر مزید تعجب سے پوچھا ——— آپ کو کیونکر معلوم ہوا؟

---

[1] اس مرحلہ پر اس بات کی وضاحت بے حد ضروری تھی کہ حضور اقدس محمد عربی صلوات اللہ تعالیٰ علیہ وسلامہ کی ہر دو بیٹیوں ——— سیدہ رقیہ اور سیّدہ ام کلثوم ——— کی محض نسبت ابولہب کے بیٹوں سے طے پائی اگلے مرحلے بالخصوص تعلقات زناشوئی کا مرحلہ ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں آیا۔ حضور اقدس علیہ السلام کی نبوت و رسالت کا لمحہ آ گیا اور ابتدائی طور پر ابولہب اور اس کی بیوی اُم جمیل بدترین دشمنی میں سرگرم ہو گئے ——— حتیٰ کہ اُم جمیل نے اپنے بیٹوں سے ان کے نہ چاہتے کے باوصف علیحدگی اختیار کرائی ——— تفصیل بڑی کتب میں۔ (علوی)

محترمہ نے کہا ــــ میرا یہ اندرونی احساس ہے ــــ میں نے اس معاملہ میں ایک خفیہ گفتگو بھی سنی ہے ــــ سیّدہ خدیجہ کے چچا زاد ــــ ورقہ بن نوفل، یہی کہتے ہیں، اور تمہیں معلوم ہے ــــ اور سارا عرب جانتا ہے کہ وہ ایسے عالم ہیں جنہیں کتبِ سابقہ کے حوالہ سے بہت سے حقائق کا علم ہے۔

سیّدنا عثمان بہت حیران تھے ــــ انھوں نے فرمایا۔
یہ بات تو بڑی عظیم ہے ــــ لیکن اس کا تعلق رقیہ کی شادی سے کیا ہے ــــ جب کہ اس کی نسبت ہو بھی چکی۔

اُن محترمہ نے گرجدار آواز میں کہا ــــ عثمان، قریش جو بتوں کو پوجتے ہیں ــــ وہ آسانی سے اس کو مان لیں گے؟

ــــ کبھی نہیں ــــ اُن کے اور محمد کے درمیان شدید نزاع ہوگا ــــ قریش ان کے دشمن اور مدِ مقابل ہو جائیں گے ــــ اور میرا خیال یہ ہے کہ ان کی سرداری ابولہب اور اس کی بیوی کے ہاتھ میں ہوگی ــــ ام جمیل ــــ ایک بد طینت اور ضدی عورت ہے۔

عثمان ــــ پھچی ــــ پھر کیا ہوگا ــــ محترمہ نے کہا ــــ عثمان ــــ مسئلہ واضح ہے، سوال کا محتاج نہیں ــــ رقیہ اور ام کلثوم ــــ ام جمیل کے گھر میں اس نزاع کا ہدف ہوں گی ــــ پھر ام جمیل اور اس کے خاوند کے درمیان جنگ چھڑے گی ــــ جس کے نتیجہ میں رقیہ اور ام کلثوم اس کے گھر سے نکلنے پر مجبور ہوں گی۔ اور اپنے والد بزرگوار کے گھر آ بسیں گی۔

عثمان ــــ پھچی ــــ اس کے بعد پھر؟

پھچی نے کہا ــــ اس کے بعد تیرا راستہ آسان ہو جائے گا ــــ اور تیرے لیے مشکل نہ ہوگا کہ تو سیّدہ کے لیے درخواست کر سکے!

ــــ :: ــــ

۴

تھوڑے ہی دنوں بعد سیدنا عثمان کی بچی "شعدی" کی بات پوری ہو گئی —— چند مہینے گزرے —— محمد کریم کو نبوت سے سرفراز کیا گیا

سیدنا جبریل، اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے —— محمد کریم اللہ تعالیٰ کے حکم سے تبلیغ رسالت کے فرض کی ادائیگی میں لگ گئے —— قریش ضد میں مدِ مقابل آ گئے، آپ کی راہ روکتے، راستہ میں کانٹے بچھاتے اور آپ کی ضد میں سب کچھ کرتے جو ان کے بس میں تھا۔ آپ کے بدترین دشمن آپ کے چچا —— ابولہب —— اور اس کی بیوی —— ام جمیل —— تھے، وہ ضد و عناد میں حد سے بڑھے ہوئے تھے، راہ روکنے کے لیے ہر گھٹیا حرکت کرنا اور آپ کو ایذا پہنچانا ان پر بس تھا۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی قریش کو جمع کر کے یا ان سے مل کر دینِ اسلام کی دعوت دیتے اور بات کرتے —— تو چچا ابولہب نے کہا

تَبًّا لَكَ يَا مُحَمَّدُ —— محمد تم ہلاک ہو جاؤ (معاذ اللہ تعالیٰ)

اس کی بیوی اُم جمیل کھلے اور چھپے گالی گلوچ میں مشغول رہتی —— آپ کے راستہ میں جتنی گندگی اور کانٹے اس نے بکھیرے، اس کی مثال نہیں —— سیدہ خدیجہ گھر سے بنفسِ نفیس تشریف لے جاتیں اور راستہ میں بکھری گندگی اور کانٹوں کو صاف کرتیں اور یوں اپنے شوہر کریم —— محمد عربی —— خاتم النبیین والمعصومین صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ صاف فرماتیں —— انہی حالات میں سورۂ "تبت" نازل ہوئی ——

"ابولہب کے دونوں ہاتھ ٹوٹ گئے اور وہ ہلاک ہو گیا، اس کا مال اور جو کچھ اس نے کمایا اس کے کام نہ آیا، وہ بھڑکتی ہوئی آگ میں پڑے گا، اور اس کی عورت بھی، جو

ایندھن اُٹھائے پھرتی تھی، اُس کی گردن میں مونج کی رسّی ہے۔"

(ترجمہ۔ از مولانا احمد علی لاہوری ص ۹۶۵)

قریش کی عداوت برابر بڑھتی گئی، اُنھوں نے اپنے تمام وسائل دشمنی میں جھونک دیئے۔ حتیٰ کہ ایک گروہ نے رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم سے انتقام لینے کی غرض سے آپ کی ہر تین صاحبزادیوں —— زینب، رقیہ اور اُم کلثوم کو نشانہ بنایا۔

بعض قریشی وڈیرے، پیغمبرِ اسلام کی بڑی صاحبزادی سیّدہ زینب کے شوہر العاص بن الربیع کے پاس گئے اور کہا کہ اپنی بیوی کو طلاق دے دو، اس کے بدلے ہم تمہاری شادی ایسی عورت سے کرا دیں گے جو قریش میں بہت ہی خوبصورت اور صاحبِ ثروت ہوگی۔

لیکن ابن الربیع نے ان کے لایعنی مطالبہ کو پوری شدّت سے ردّ کر دیا، اور کہا:

"کہ مجھے اپنی بیوی سے بہت ہی پیار ہے، اور ان کے والد کا حد درجہ احترام ہے گو کہ میں مسلمان نہیں۔"

یہ سب لوگ خائب و خاسر ہو کر ابو لہب اور ام جمیل کے پاس گئے اور ابو لہب سے کہا:

"تمہارے لڑکوں سے رقیہ اور اُم کلثوم کی نسبت کب تک باقی رہے گی۔ جب کہ اُن کے والد ہمارے دین کو حماقت قرار دیتے اور ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہتے ہیں۔"

ابو لہب نے بغیر کسی تاخیر یہ مطالبہ مان لیا اور اس کی بیوی اس سے زیادہ زور سے چلّائی:

"کیوں نہیں، کیوں نہیں ـــــ آج کے بعد ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں۔ ان دونوں لڑکیوں سے میرے لڑکوں کے رشتہ کا سوال ہی نہیں"

ابولہب نے زن مریدی کا اہتمام کرتے ہوئے کہا:

"بالکل درست، بالکل صحیح، میری بیوی صحیح کہتی ہے، آج کے بعد کوئی تعلق نہیں"

دونوں لڑکے ـــــ عتبہ اور عتیبہ بالکل خاموش ـــــ ایک لفظ انھوں نے نہ کہا۔

وجہ ظاہر تھی کہ گھر میں ان کی ماں مالک و مختار تھی ـــــ اسی کی مرضی چلتی اور بس۔

اس طرح یہ رشتہ منقطع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی عفت مآب اور شریف و پاکدامن بچیوں کو اس ظالمانہ اور کافرانہ ماحول سے عملی تعلق سے پہلے ہی نجات دلا دی۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی بہت خوش ہوئے کہ بچیاں بھیانک مستقبل سے محفوظ ہو گئیں۔ اور سیدہ خدیجہ بھی بے حد مسرور کہ ان کی لاڈلیاں ام جمیل کی ایذا رسانی اور شرارت سے بچ گئیں۔

امی نے بچیوں کو چمکارا، پیار سے گلے لگایا۔ اور اس خوشی میں زبردست دعوت کی۔

سیدہ خدیجہ کے ذہن میں جو خدشات تھے کہ ام جمیل جیسی ہٹ دھرم ضدی اور ایذا رسانی میں لطف لینے والی خاتون کے یہاں میری بچیوں کا کیا حال ہوگا، اس کا انھوں نے رسول اکرم سے کبھی ذکر نہ کیا ـــــ مقصد محض آپ کی راحت رسانی تھی۔ ننھی فاطمہ ـــــ اپنی بہنوں کی خلاصی سے بے حد مسرور تھیں۔ اور بہنیں جس طرح آپس میں پیار کرتیں، ایک دوسرے

کو گلے لگا لگا کر چومتیں، وہ نظارہ چشم فلک کا ہے کو دیکھا ہوگا۔

سیدہ رقیہ اور ام کلثوم کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ تھا ——— انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اُم جمیل جیسی اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور اس کے دین کی دشمن خاتون سے نجات میسر آئی۔

ام جمیل کی دشمنی عداوت انتہا کو پہنچ گئی۔ اب اس پر پاگل پن سوار تھا ——— سیدنا المخدوم ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

"وہ کہیں کعبہ کے ایک طرف بیٹھا تھا، کائنات کے دولہا اور روح انسانیت محمد عربی بھی تھے۔ ام جمیل آئی، اس کے ہاتھ میں ایک پتھر تھا، بہت بڑا اور جھگڑے کے لیے خاص طور پر تیار شدہ ——— کھنگریلا۔ قریب آئی اور چلائی

"ابوبکر! تمہارا دوست کہاں ہے؟"

میں نے جواب نہ دیا۔

وہ بڑبڑاتے ہوئے واپس چلی گئی ——— کہہ رہی تھی ——— اگر محمد کو پا لیتی تو اس پتھر سے اس کا کام تمام کر دیتی۔

وہ چلی گئی تو میں نے عرض کیا ——— رسولِ محترم، اُم جمیل نے کیسے چھوڑ دیا ——— آپ تو موجود تھے۔

فرمایا ——— اللہ تعالیٰ نے اس کو اندھا کر دیا ——— وہ مجھے دیکھ نہ سکی۔

(۴)

ایک صبح حضرت عثمان اپنی چچی "سُعدی" کے پاس آئے ——— چہرا پُر رونق ——— کہنے لگے:

محترمہ! آپ کو خبر ملی؟

اُنہوں نے کہا! کون سی خبر!

کہنے لگے ـــــ رقیہ اور اُمِ کلثوم کی نسبت، ابولہب کے بیٹوں سے ٹوٹ گئی۔

انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا ـــــ عثمان یاد ہے ـــــ میں نے اسی وقت بتا دیا تھا ـــــ پہلے ہی خبر دے دی گئی تھی۔

عثمان نے کہا ـــــ مادرِ مشفق، یاد ہے مجھے سب ذرا ذرا ـــــ لیکن اب کیا ہوگا؟ کون کرے گا؟

محترمہ کے سوال پر حضرت عثمان نے کہا ـــــ جا بیٹی اور میرے لیے اس رشتہ کی درخواست کریں ـــــ محترمہ نے کہا ـــــ یہ کام خود کرو ـــــ عرض کیا، میں ہنوز مسلمان نہیں کیسے کروں؟ ایک معزز ترین خاتون ـــــ معزز ترین باپ کی بیٹی؟

محترمہ نے کہا! اگر تم کو اس نئے دین کی سچائی کا یقین ہے تو جا کر اسلام قبول کر لو۔

عثمان نے کہا ـــــ واللہ ـــــ مجھے ہر طرح یقین ہے ـــــ ابوبکر ایک دن میرے گھر آئے۔ میں نے ان کی زبان سے قرآن سُنا۔ جس نے میرے عقل و شعور کی گرہیں کھول دیں اور میرے دل میں اسلام و ایمان کی محبت کا پودا لگا دیا ـــــ یہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے۔

O

عثمان گھر سے نکلے، انہیں سیدنا ابوبکر کی تلاش تھی ـــــ تلاش کرتے کرتے اچانک وہ راستہ میں مل گئے۔

سیدنا صدیق نے عثمان کو دیکھ کر کہا:

عثمان ـــــ تم قابلِ تبریک ہو، جوانانِ عرب میں سے ایک، اور

نوجوانوں کی زینت!

عثمان نے جواباً کہا ـــــ اے رسول اللہ کے ساتھی ـــــ آپ کا آنا مبارک!

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو بے حد تعجب ہوا ـــــ پوچھا۔

عثمان ـــــ تم یہ کہتے ہو کہ محمد اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں!

سیّدنا عثمان نے کہا ـــــ کیوں نہیں، کیوں نہیں ـــــ بس مجھے ان کے پاس لے جائیں۔

سیّدنا ابوبکر نے انہیں ساتھ لیا، دربارِ نبوّت میں حاضری دی اور انہوں نے دستِ نبوّت پر اسلام کی بیعت کر لی۔

یوں عثمان ـــــ آٹھویں مسلمان ہیں (مردوں میں سے) جن کو اولیت کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے جنّت کی بشارت دی۔

سیّدنا عثمان کا قبولِ اسلام ـــــ ایک بڑا واقعہ تھا ـــــ ان کی شخصیّت بہت بڑی تھی، عرب دنیا میں انہیں بڑا احترام حاصل تھا، خاص طور پر وہ قریش کی آنکھوں کا تارا تھے ـــــ ان کا قبیلہ ـــــ بنو امیّہ ـــــ سب سے مضبوط قبیلہ تھا ـــــ سیاسی فراست، مال و دولت اور وجاہت میں ـــــ پھر مالی اعتبار سے بہت بلند اور عزّت و وجاہت کے حوالہ سے بہت عظیم!

اسلام ان کے آنے سے سرسبز ہوا، مسلمان قوی ہوئے ـــــ بالخصوص انہوں نے دین کی مدد، مسلمانوں کی نفع رسانی اور جہاد کی تیاری کے لیے جو بے پناہ مالی ایثار کیا ـــــ اس سے اسلام اور مسلمانوں کو بہت نفع پہنچا۔

ان کا اسلام قبول کرنا ایسا نہ تھا کہ کفّار ٹھنڈے پیٹوں برداشت کر لیتے ـــــ وہ غضبناک ہو گئے۔ ان کے چچا "الحکم بن العاص"

نے انہیں قید کر دیا۔ کھانا پینا روک دیا۔ لیکن عثمان کی استقامت میں بال برابر کمی نہ آئی، انھوں نے سارے قبیلہ سے دشمنی مول لے لی۔ اور دعوت دین کے پھیلانے اور اعلاء کلمۃ اللہ میں جُت گئے۔

○

چند دن بعد رسول اکرم سے نسبی تعلق جوڑنے کی غرض سے سیّدنا عثمان نے اپنے محسن بھائی سیّدنا ابوبکر کا سہارا لیا۔

ابوبکر نے حامی بھرلی اور کہا —— کیوں نہیں، میں ضرور عرض کروں گا —— عثمان، اس میں شک نہیں کہ سلامتیٔ ایمان اور خاندانی حوالہ سے تم بہت ہی رسولِ محترم کے قریب ہو۔

سیّدنا ابوبکر نے جناب عثمان کے لیے سیّدہ رقیہ کے رشتہ کی درخواست دربارِ نبوّت میں پیش کی تو رسولِ محترم کی خوشیوں کا ٹھکانہ نہ تھا، آپ نے کمال درجہ مسّرت سے اس خواہش کی تکمیل کا سامان کیا اور اس طرح شادی ہو گئی۔ رشتۂ ازدواج کے بعد سیّدہ رقیہ اپنے خاوند و میاں کے گھر سدھار گئیں —— ایک بار پھر سیّدہ خدیجہ کے گھر جدائی کے غم نے ڈیرہ ڈال لیا —— سب سے زیادہ غمناک سیّدہ اُم کلثوم تھیں، جو اپنی ہمشیرہ مہربان سے جدا ہو گئیں۔ اور اب گھر میں یا تو ان کی معصوم بہن فاطمہ تھیں اور یا والدہ محترمہ سیّدہ خدیجہ —— —— جنہیں اب گھر سے زیادہ فکر اپنے شوہر نامدار کی تھی، جن کی ضد میں کفارِ قریش پاگل ہو رہے تھے۔ اور ہر وقت آمادۂ فساد سیّدہ جانثاری کے لیے سایہ کی طرح گویا اپنے آقا و شوہر کے ساتھ ساتھ تھیں۔

——⁘——

۵

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم خاموشی سے دارِ ارقم میں مسلمانوں کے مجمع میں تشریف فرما ہوتے ـــــ یہ مکان مکّہ کے معروف پہاڑ "صفا" کے دامن میں واقع تھا ـــــ جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ دین اسلام کی ہدایت سے سرفراز فرماتے، وہ برابر یہاں حاضر ہو کر جماعتِ مسلمین میں شامل ہو جاتے۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مسلمانوں اور مشرکین مکّہ کا نزاع بڑھ رہا تھا ـــــ قریش کفّار کے حملے جن میں ایذا و تعذیب کا سامان تھا، ان میں ترقی ہو رہی تھی۔

اس لیے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بعض مسلمانوں کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی ـــــ انہی حضرات نے ہجرت اختیار کی۔ ان مہاجرین اوّلین میں سیّدنا عثمان اور ان کی اہلیہ رقیہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل تھیں۔ اس سفر کی صعوبتوں اور مشکلات کی وجہ سے سیّدنا عثمان کو اپنی اہلیہ پر بڑا ترس آیا ـــــ انھوں نے کہا:

رقیہ! سفر طویل بھی ہے اور مشکل بھی، ہم حبشہ میں اجنبی مسافروں کی سی زندگی گزاریں گے ـــــ یہ اس وقت تک ہو گا، جب تک رسولِ محترم ہمیں لوٹنے کی اجازت نہ دے دیں ـــــ میں چاہتا ہوں کہ تم مکّہ معظمہ میں اپنے والد بزرگوار اور اپنی والدہ محترمہ کے گھر میں ہی مقیم رہو۔

لیکن سیّدہ رقیہ نے یہ نصیحت قبول نہ کی اور اپنے میاں سے کہا:

اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاد فی سبیل اللہ ـــــ جو نصرت اسلام کی غرض سے ہو رہا ہے، اس میں آپ مجھ سے بازی لے جائیں۔ میں آپ

اور دوسرے غریب الوطن مسلمانوں کے ساتھ ہر قسم کی پریشانیاں اور مصائب کھلے دل سے برداشت کرنے کو تیار رہوں۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے دین کے راستہ میں جو مشکلات آئیں ـــــ وہ سر آنکھوں پر۔

(۱۰)

سیّدہ رقیہ نے اپنے خاوند سیّدنا عثمان کے ساتھ حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ وہاں تقدیرِ الٰہی سے نجاشی جیسا شریف النفس بادشاہ تھا۔ جس نے ان بلاکشانِ محبّت کو ہر طرح عزّت و احترام سے نوازا، اور ان کی بھرپور حمایت کی۔

حبشہ میں مسلمان ایک عرصہ تک مقیم رہے، حتیٰ کہ یہ خبریں پھیل گئیں کہ قریش کی رسول اکرم سے صلح ہو گئی اور انہوں نے مسلمانوں کو دکھ پہنچانے اور تکالیف دینے سے ہاتھ کھینچ لیے، تو مسلمان مکّہ پلٹ آئے لیکن یہ خبریں جھوٹی نکلیں ـــــ معلوم ہوتا ہے کہ دشمن نے اڑائی تھیں ـــــ بہرحال مشرکین برابر آمادۂ عداوت تھے، وہ مسلمانوں سے لڑائی جھگڑے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے نہ جانے دیتے۔ اور ہر جگہ مسلمانوں کے درپے آزار رہتے ـــــ جب سیّدنا عثمان اور سیّدہ رقیہ مکّہ معظمہ واپس آئے تو سیّدہ رقیہ بے حد خوشی و مسرّت سے اپنے عظیم باپ کے گھر وارد ہوئیں ـــــ سیّدہ ام کلثوم اور سیّدہ فاطمہ نے لپک کر بہن کا استقبال کیا ـــــ بہنوں نے ایک دوسری کا سر ماتھا چوما ـــــ اس موقعہ پر پیار و محبت کا نظارہ دیدنی تھا نہ کہ شنیدنی!

سیدہ رقیہ اپنی عزیزہ بہنوں سے چمٹ کر رہ گئیں، اور انہوں نے کمال اشتیاق سے پوچھا۔

ابّا حضور کہاں ہیں؟ سیّدہ ام کلثوم نے کہا ـــــ حبشہ سے

واپس آنے والے مسلمانوں کے استقبال میں مصروف ہیں۔

اور امّی؟ اگلا سوال یہ تھا ـــــ اب دونوں بہنیں اُم کلثوم اور فاطمہ کی نگاہیں جھک گئیں ـــــ ان پر گریہ طاری ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ زبان سے کچھ کہتیں ـــــ سیّدہ رقیہ کا دل بول اٹھا ـــــ وہ جلدی سے امی کے تخت کی طرف بھاگیں تو وہ خالی تھا۔ حبشہ کے قیام کے دوران ہی مادرِ مہربان اس دنیا سے رخصت ہو چکی تھیں ـــــ اور رقیہ واپس آئیں تو امّی کا حجرہ اور بستر خالی تھا ـــــ اب اس شاہزادی پر ہچکیوں کا غلبہ تھا اور آنسو تھے کہ تھمنے کا نام نہ لیتے۔

اسی دوران رسولِ محترم تشریف لائے ـــــ سیّدہ رقیہ امّی کی خالی چارپائی پر غم میں ڈوبی بیٹھی تھیں ـــــ سیّدہ اُم کلثوم اور سیدہ فاطمہ دائیں بائیں بیٹھے رو رہی تھیں ـــــ رسولِ محترم نے ہر تینوں بیٹیوں کے دل کو تسلّی دی۔ ان کے آنسوؤں میں حصّہ دار بنے اور ان کی زخمی روح میں برابر کے شریک ہو کر تسلّی کا سامان فراہم کیا۔

نبی محترم تو ویسے ہی اپنی اہلیہ کی جدائی کے سبب سخت غمزدہ تھے ـــــ ان کے اخلاقِ عالیہ کا بار بار ذکر کرتے ـــــ رسولِ محترم نے جس طرح اپنی اس بیوی کو چاہا کون خاوند اپنی بیوی کو چاہے گا ـــــ محبّت کا معیار ہی مثالی تھا۔

سیّدہ خدیجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مضبوط سہارا تھیں ایک ایسی ڈھال جو ہر وار اپنے اُوپر سہہ لے ـــــ اور یہ معاملہ نبوت سے پہلے تھا تو نبوّت کے بعد پہلے سے کہیں بڑھ کر تھا ـــــ وہ رسول اکرم کے لیے مضبوط قلعہ اور سچی مددگار تھیں ـــــ اسلام کے لیے ان کا سب کچھ نثار تھا۔ اور مسلمانوں کا غم ان کا اپنا غم تھا۔

ان کی وفات کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گہرے غم کا شکار

ہو گئے ـــــ آپ نے محسوس کیا کہ ایک ایسا وجود دنیا سے اُٹھ گیا جو اسلام کے لیے ایک مضبوط سہارا تھا ـــــ وہ اپنی ذات میں "بطل الاسلام" تھیں ـــــ پہلی اُم المومنین ۔

ان کی وفات کے بعد رسول اکرم نے مدینہ منورہ ہجرت کی مسلمانوں نے بھی ہجرت کی ۔ پہلے قافلہ میں سیّدنا عثمان اور سیّدہ رقیہ شامل تھے مدینہ منوّرہ میں انصار نے اس طرح استقبال کیا کہ اپنی محبتیں نچھاور کر دیں اور اس قافلہ غرباء کے لیے دست و بازو بن گئے ۔ رشتہ مواخات و بھائی چارگی قائم ہوا ۔ اور وہ حضرات رسول اکرم کے شانہ بشانہ کھڑے ہو گئے ۔ مسلمانوں کی تعداد بڑھ گئی ـــــ ان کی شوکت و قوت میں اضافہ ہوا ۔ غزوات و فتوحات کا دروازہ کھلا ۔ جن کی وجہ سے چار دانگ عالم میں اسلام کی بنیادیں مضبوط ہو گئیں ۔

○

مدینہ منوّرہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار و سکون میّسر آ گیا تو اپنے خادم خاص حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مکّہ معظمہ بھیجا ۔ تاکہ ہر دو صاحبزادیوں سیّدہ ام کلثوم اور سیّدہ فاطمہ کو مدینہ منوّرہ لائیں ـــــ چنانچہ وہ لائے اور دونوں بچیّوں نے اپنے بابا جان کے ہمراہ اس مکان میں قیام کیا جو مسجد مدینہ کی ایک جانب ـــــ متصل ہی ـــــ بنایا گیا تھا ۔

رسولِ محترم نے سیّدہ خدیجہ کے بعد ابھی تک عقد ثانی نہیں کیا تھا ۔ اس لیے آپ کی صاحبزادی سیّدہ اُم کلثوم ہی آپ کی خدمت کی سعادت حاصل کرتی ـــــ آپ کی راحت رسانی اور جہادی معاملات میں معاونت کا فرض انجام دینے کی خوش بختی اسی سعادت مند بیٹی کا

مقدر تھی۔

اب بدر کا موقعہ آ گیا ——— ایک منادی نے اعلان کیا ——— اہلِ اسلام ——— کفار اور مشرکین کے مقابلہ کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں ———

ہر مسلمان دیوانہ وار اُٹھ بیٹھا ——— اس کے پاس جو ممکن ہتھیار تھا اٹھا لیا ——— ہر شخص کا دل نورِ ایمان سے بھرا تھا اور اطمینان کی کیفیت اسے میسر تھی ——— سب لوگ رسولِ رحمت کے اِرد گرد اکھٹے تھے ——— توجہ سے آپ کی بات سن رہے تھے ——— اللہ تعالیٰ کے آخری نبی انہیں نصیحت فرما رہے تھے اور جہاد کے لیے ترغیب دے رہے تھے۔

رسولِ محترم نے مڑ کر جو دیکھا تو عثمان موجود نہ تھے ——— ابھی پوچھنے کی نوبت نہ آئی کہ حضرت عثمان سراپا غم و حزن نظر آئے ——— عرض کیا آقا! میری اہلیہ ——— رقیہ ——— شدید بخار میں مبتلا ہیں۔

یہ سننا تھا کہ رسولِ برحق غم کا شکار ہو گئے ——— پھر دعائیہ کلمات ارشاد فرمائے ——— یَرْحَمُہَا اللّٰہ ——— اللہ تعالیٰ اس پر رحم فرمائے اور فرمایا ——— عثمان، اپنی اہلیہ کی تیمارداری اور اس کے علاج کی فکر کرو ——— بدر میں مسلمانوں سے پیچھے رہ جانے میں تم پر کوئی الزام نہیں۔

دنیوی اور اخروی جو نعمتیں میسر آئیں گی۔ ان میں تمہارا برابر حصہ ہوگا۔

خود نبی محترم نے، رقیہ کی بیماری کے سبب جہاد کی تیاری سے اعراض نہیں فرمایا ——— تیاری کی اور مسلمانوں سمیت دشمن کی ملاقات کو چل نکلے۔

البتہ عثمان بستر رقیہ کے پاس رہے ——— دوہرا غم اور صدمہ ——— اہلیہ کی بیماری اور جہاد سے ظاہری محرومی ——— رونا اور غم ——— افسوس بخار کی شدت انتہا کو تھی حتیٰ کہ محترمہ کا آخری لمحہ آ گیا ———

عثمان کے ہاتھوں میں وہ آخری ہچکی لے کر جوارِ الٰہی میں پہنچ گئیں۔ عثمان رونے اور دعاء مغفرت کے سوا کچھ نہ کر سکتے تھے۔

رسولِ محترم واپس تشریف لائے، مسلمانوں کو عظیم کامیابی میسر آئی، مسلمان اس سال میں لوٹے کہ نصرتِ الٰہی اور فخر سے ان کا سر بلند تھا۔

سیّد دو عالم ـــــ عثمان کے گھر پہنچے تو اپنی صاحبزادی کا بے حس و حرکت وجود تھا اور بس ـــــ عورتیں مشغول گریہ و بکا۔ اللہ تعالیٰ کے نبی کی خوشی پر غم غالب آ گیا ـــــ آنسو، افسوس اور صدمہ سے نڈھال ـــــ پیاری بیٹی رقیہ کی رخصتی ـــــ دائمی رخصتی پر!

پیاری فاطمہ، بہن کے جسم سے لپٹی ہوئی تھیں، آنسوؤں اور صدمہ سے نڈھال ـــــ خواتین نے معصوم فاطمہ کو اس حال میں دیکھا تو کہرام مچ گیا ـــــ سیّدنا عمر رسولِ محترم کے ہمراہ تھے، جب آپ اپنی بچی کو رخصت فرما رہے تھے۔ انہیں عورتوں کا رونا پسند نہ آیا۔ چپ کرنے کی تلقین کی ـــــ کہ اس میں رسولِ محترم کا احترام تھا ـــــ تلقین میں لہجہ کی قدرتی سختی تھی ـــــ لیکن سیّد دو عالم نے فرمایا ـــــ عمر، چھوڑ دو، رونا ـــــ محض آنکھوں سے بغیر آواز ـــــ دل کی تسلّی اور رحمتِ الٰہی کا باعث و سبب ہے ـــــ سارا مدینہ رقیہ کی وجہ سے غم میں مبتلا تھا ـــــ امام برحق نے بیٹی کا جنازہ اُٹھایا، پڑھایا، اور معصوم ہاتھوں سے دفن فرمایا۔ سیّدہ رقیہ ـــــ ذات الہجرتین ـــــ ہیں ـــــ اس لیے کہ دو بار ہجرت کی سعادت حاصل کی ـــــ حبشہ کی طرف اور مدینہ منوّرہ کی طرف! اپنے رب سے ملاقات کے وقت عمر مبارک محض ۲۲ برس کی تھی ـــــ بہت مختصر، قلیل ـــــ

ع حسرت ان غنچوں پہ ہے جو بن کھلے مرجھا گئے۔

○

سیّدہ کے بطن سے ایک بچّہ پیدا ہوا ـــــ عبداللہ ـــــ نام تجویز ہوا ـــــ لیکن محض ۲ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ کو پیارا ہو گیا۔

جیسے اس کی والدہ ــــــ رقیہ ــــــ کھلتے پھول کی طرح تھوڑی عمر میں مرجھا گیئں ۔

حضرت عثمان اپنی اہلیہ اور بچے کی وجہ سے شدید صدمہ کا شکار تھے ان پر غم و رنج طاری تھا، ان کا سکون لٹ گیا۔ اور چین و راحت عنقا ہو گیا ــــــ

لیکن یہ گھڑیاں زیادہ لمبی نہ تھیں کہ آپ آقائے مدنی کے ساتھ فتوحات و غزوات میں برابر مشغول تھے ــــــ اور اسلام کے جھنڈے کی سربلندی کے لیے اپنا بے حساب مال خرچ فرما رہے تھے ــــــ لشکروں کے اخراجات، مساجد کی تعمیر اور مدینہ منورہ کے فقراء مسلمین کے ساتھ تعاون، ان کے من پسند مشغلے تھے ۔

ایک صبح حضرت عمر ــــــ حضرت صدیق اکبر کے پاس آئے اور کہا :

میری بیٹی حفصہ کے خاوند غزوہ احد میں شہادت سے ہمکنار ہو گئے ــــــ اسے حبالہ عقد میں لے لیں ۔

ابوبکر صدیق اکبر نے دیکھا ضرور لیکن جواب نہ دیا ۔

عمر سمجھ گئے کہ جناب ابوبکر کو اس رشتہ سے دلچسپی نہیں ــــــ وہ غضب ناک ہو کر جناب عثمان کے پاس گئے اور کہا :

عثمان ! تمہاری اہلیہ رقیہ چل بسیں، تم اکیلے ہو، میری بیٹی بیوہ ہو گئیں ــــــ وہ بھی تنہائی کا شکار ہے ۔ کیا یہ مناسب نہیں کہ حفصہ سے تمہارا عقد ہو جائے ؟

سیدنا عثمان نے معذرت کی اور عرض کیا ــــــ ابھی میرا عقد ثانی کا پروگرام نہیں ۔

عمر کا غصّہ بڑھ گیا ــــ وہ سخت پریشان ہو گئے، ان پر یہ بات بہت شاق گزری کہ جناب ابوبکر اور جناب عثمان نے یہ رویّہ اختیار کیا۔

وہ رسولِ محترم کی خدمت میں گئے اور ہر دو حضرات کی شکایت کی رسولِ محترم مسکرائے، جناب عمر کی دلجوئی فرمائی اور کہا:

عمر! میں اس شخص کا بتلاتا ہوں جو حفصہ کے لیے عثمان سے بہتر ہے۔ اور اس خاتون کی نشاندہی کرتا ہوں جو عثمان کے لیے حفصہ سے بہتر ہے۔

سیّدنا عمر مسرّت سے کھل اُٹھے ــــ عرض کیا ــــ جی یا رسول اللہ، ضرور ارشاد فرمائیں۔

رسولِ برحق نے فرمایا ــــ میری شادی حفصہ سے کی جائے گی ــــ الٰہی حکم ــــ اور عثمان کی ام کلثوم سے!

عمر فضلِ الٰہی سے مسکرا اُٹھے، خوشی سے باچھیں کھل گئیں ــــ اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی تعریف بیان کی۔ اللہ تعالیٰ کے رسول سے سسرالی رشتہ داری ــــ یعنی رسول ان کے داماد اور وہ خسر ــــ سبحان اللہ ــــ عظیم نعمت ہے۔

ع یہ نصیب! اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

سیّدہ ام کلثوم، رسولِ محترم کے ارادہ کو بھانپ گئیں ــــ انہیں دوہری خوشی تھی ــــ اپنی مرحومہ بہن کے میاں عثمان سے بیاہنے کی اور مرحومہ بہن کی جگہ لینے کی ــــ وہ بہن جسے ہجرت کا دوہرا شرف حاصل ہوا۔

○

سیّدہ اُم کلثوم کی شادی جناب عثمان سے ہو گئی ــــــ پہلی شب ان کے آنسو نہ تھمتے تھے ــــــ انہیں مرحومہ بہت بہت یاد آ رہی تھیں ــــــ آج گھر میں خوشیوں کی گھڑیاں تھیں، گیت اور خوشی کے ترانے چار سو ــــــ لیکن وا حسرتا کہ بہن کی یاد میں شادی کی خوشی کے گیتوں کی جگہ غم اور کرب کی کیفیت تھی ــــــ آہ بہن ــــــ تم آہ!

یہی حال سیّدنا عثمان کا تھا ــــــ انہیں بھی رقیہ یاد آ رہی تھیں اور بہت! وہ رقیہ جس نے دو مرتبہ ان کے ساتھ ہجرت کی تلخیاں برداشت کیں اور سفر کی صعوبتیں اور پریشانیاں جھیلیں ــــــ بہرطور ام کلثوم رقیہ سے کم نہ تھیں۔ مرحومہ بہن کی ہو بہو تصویر، حسن و جمال میں چاند کا ٹکڑا۔

دراصل اس بات کا احساس کہ بار دگر اللہ تعالیٰ نے رسول محترم کے فرزند نسبتی ہونے کے شرف و مجد کی دولت بخشی۔

اسی لیے وہ "ذوالنورین" کہلاتے ہیں کہ رسول محترم کی دو صاحبزادیوں ــــــ رقیہ، ام کلثوم ــــــ سے یکے بعد دیگرے شادی کی۔

○

سیّدہ ام کلثوم نے سیّدنا عثمان کے گھر اپنی بہن کی جگہ لے لی۔ وساوس اور وہم نے ان کی آرام گاہ کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ اور ان کی زندگی کی مسرّت و خوشی نابود ہو گئی۔

وہ دل ہی دل میں کہتیں۔

میں بہن رقیہ کی جگہ آئی ہوں، جلد ہی اس سے مل جاؤں گی، اس کی

جواں مرگی کی طرح میں بھی جواں مرگی کا شکار ہوں گی ۔ اس کی قبر میں میری جگہ بھی محفوظ ہے ـــــ وہیں دفن ہوں گی ۔

انھوں نے گھریلو خادمہ "ام عیاش" کو اس راز سے مطلع کیا ـــــ وہ بیچاری کوشش کرتیں کہ سیدہ اس وہم سے نکل آئیں ـــــ وہ کہتیں کہ آپ بہت سعادت مند ہیں ـــــ لمبی عمر نصیب ہو گی ــــ ان شاء اللہ تعالیٰ ۔

سیدہ کے بعد جناب فاطمہ تنہا رہ گئیں ـــــ وہ تھیں اور بابا کا گھر ـــــ بہن کی شادی کے بعد فاطمہ تنہائی کی وحشت محسوس کرنے لگیں ۔ اور ام کلثوم کا اپنے میاں کے گھر بھی حال تھا کہ وہ بھی تنہا تھیں ـــــ سوائے خاوند کون تھا ؟ لیکن بعض مہتم بالشان ذمہ داریوں نے اس وحشت و تنہائی کا احساس دور کر دیا ۔

فاطمہ ـــــ اپنے بابا کی خدمت کی سعادت سے بہرہ ور ہو رہی تھیں ـــــ وہ ابا، جس نے سیدہ خدیجہ کے بعد اب تک عقد ثانی نہ کیا تھا ـــــ فاطمہ، اپنے ابا کی بیٹی، دوست اور ماں سبھی کچھ تھیں ـــــ ان کا لقب پڑ گیا "فاطمہ جو اپنے باپ کی ماں ہے"

۸

جو معاملہ سیدہ فاطمہ کا اپنے بابا کے ساتھ تھا ۔ وہی سیدہ اُم کلثوم کا اپنے میاں کے ساتھ تھا ـــــ سیدہ کے میاں ـــــ عثمان ـــــ وہ عظیم الشان اور بطل سخاوت تھے ۔ جن کا ایثار و قربانی ہر لمحہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے مثالی تھا ۔ انھوں نے اس طرح اپنی دولت لٹائی کہ اسلامی تاریخ میں کسی نے کیا لٹائی ہو گی ـــــ خلفاء میں بھی انہی کا اس حوالہ سے پہلا نمبر ہے ـــــ گو کہ سیدنا ابوبکر نے

ظہورِ اسلام اور ہجرت مدینہ کے مواقع پر ساری دولت لٹا دی ——— لیکن عثمان نے بھی کسر نہیں چھوڑی، ایک مرحلہ پر نہیں بار بار اپنی خطیر دولت اسلام اور مسلمانوں پر نچھاور کر دی۔

سیّدہ ام کلثوم، اپنے میاں کی سعادت مندی میں ان کی شریک تھیں ——— اس ایثار و قربانی پر داد دینا اور حوصلہ بڑھانا اور مزید ترغیب دینا ان کا کام تھا ——— جب کہ خواتین بالعموم اس حوالہ سے راستہ روکتی ہیں۔

سیّدہ اپنے میاں سے فرماتیں:

"میں نے اپنے بابا سے سنا ——— کہ آپ جنت کے مقربین میں سے ہیں ——— سب سے زیادہ قربِ خداوندی کے مستحق لوگوں میں آپ شامل ہیں ——— بلکہ ان کے سردار و امام!

اور فرشتے تمہارے وقار، تواضع اور خشیتِ الٰہی کے سبب تم سے شرماتے ہیں ——— نیز تمہارے بے پناہ مال خرچ کرنے، اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور مسلمانوں سے محبّت کے سبب بھی"

عثمان اپنی اہلیہ کی بات سن کر اپنا چہرہ زمین پر گاڑ لیتے ——— اس کا سبب ان کا طبعی حیا اور تواضع تھا ——— نیز زاہدوں اور صلحاء کی یہی عادت ہے ——— کہ اپنی تعریف پر اتراتے نہیں۔

سیّدہ پھر ارشاد فرماتیں:

"میں نے صحابہ اور اپنے بابا کے مقربین سے سنا کہ آپ ہی تھے، جنھوں نے یہود سے کنواں "بئر رومہ" خرید کر مسلمانوں اور سبھی اہل مدینہ کے لیے وقف کر دیا اور لوگوں

کو پیاس کی موت مرنے سے بچایا۔

اور آپ نے اپنی جیب خاص سے ایک قطعہ زمین خرید کر مسلمانوں کو ہدیہ کر دیا، جس سے انہوں نے مسجد نبوی کی توسیع کی، گویا اسلام میں مسجد کے مؤسس آپ ہیں۔

اور آپ نے اپنے خطیر تجارتی قافلہ کو ـــــ جو شام سے واپس آیا۔ بغیر کسی معاوضہ وصلہ فقراء مدینہ کے لیے وقف کر دیا۔

اور آپ نے ہی روم کی عظیم حکومت کے مقابل جانے والے تنگی کا شکار لشکر کو ہر طرح کے ضروری سامان سے آراستہ کر دیا۔

عثمان ـــــ میرے شوہر نامدار ـــــ تمہارے لیے صد ہزار مبارک ـــــ جو تم نے آگے بھیجا اور اللہ تعالےٰ کی راہ میں خرچ کیا۔

O

اسی طرح ام کلثوم اپنے خاوند کے گھر زندگی گزارتی رہیں ـــــ وہ رسولِ محترم کے پہلو بہ پہلو جہاد کے لیے اپنے میاں کو اُبھارتیں، ان کی قدر و منزلت کا اعتراف فرماتیں، اسلام اور مسلمانوں کے لیے ان کی عنایات کے گن گاتیں۔

۶ ہجری میں رسولِ محترم نے ایک ہزار مسلمان احباب سمیت (صحیح روایت ۱۴۰۰) مکّہ کی زیارت کا قصد کیا۔ لیکن قریشی آڑے آگئے ـــــ ان کا غرور ہنوز ٹوٹا نہ تھا۔

رسولِ محترم نے چاہا کہ ایک شخص کو بھیجا جائے جو اہل قریش کو

سمجھائے کہ ہم عمرہ کے لیے آئے ہیں ۔ لڑائی کے لیے نہیں ۔

سیّدنا عمر اس مقصد کے لیے تجویز ہوئے ــــــ لیکن وہ اپنے مزاج کے حوالہ سے گھبرائے اور ڈر محسوس کیا کہ ان کے انکار کے سبب میری گڑبڑ نہ ہو جائے ــــــ اس لیے معذرت کر دی ۔ اور سیّدنا عثمان کی رائے دی ــــــ کہ وہ جانتے تھے کہ قریش میں ان کا کتنا عظیم مقام ہے ۔ نیز یہ کہ ان کا قبیلہ، عزیز و اقارب مکہ میں اس قدر ہیں کہ قریش ان کے ساتھ ناروا سلوک کرنے کا حوصلہ نہ کر سکیں گے ۔

رسولِ محترم نے جناب عمر کا عذر قبول کر کے سیّدنا عثمان کو بھیجا تاکہ وہ قریش کو ہمارے اصلی ارادہ سے آگاہ کر سکیں ۔ جب سیّدنا عثمان سادات قریش کے ساتھ مذاکرات میں مشغول تھے تو ناخبر کے سبب آپ کے قتل کی خبر پھیل گئی ۔ یہ خبر سیّدہ ام کلثوم تک پہنچی تو ان کے رنج و غم کی حد نہ تھی قلق، حزن اور پریشانی نے انہیں گھیر لیا ۔

جناب رسولِ اعظم نے صحابہ اور مجاہدین کو بلا کر مکہ جانے کی بیعت لی کہ عثمان کا بدلہ لے سکیں ۔

مجاہدین سر بکف سوئے مکہ روانہ ہوئے ــــــ راستہ میں ایک اونٹنی نظر آئی ــــــ صحراؤں میں چلتی ــــــ ایک رہنما سا تھا ۔ رسولِ محترم نے دیکھا تو فرمایا ــــــ یہ عثمان ہی ہیں ــــــ ان کی آمد سے رسولِ محترم کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا ــــــ صحابہ کرام نے نعرۂ تکبیر بلند کیا ــــــ رسولِ محترم نے پوچھا ــــــ عثمان کیا ہوا ؟ عثمان نے عرض کیا :

”قریش نے (امسال نہیں سال آیندہ) آپ کی مکہ آمد کو قبول کر لیا ہے “

اس واقعہ سے اگلے سال تو عمرہ قضا ادا ہوا جب کہ دو سال بعد رسولِ محترم کی مقدس قیادت میں مسلمان مکہ پر چڑھ دوڑے ۔ لیکن کسی کی نکسیر

پھوٹے بغیر مکّہ فتح ہوگیا ـــــ اور دو سال قبل "فتح مبین" کی بشارت کی یوں تکمیل ہوئی۔

اب مکّہ سے شرک کے آثار مٹا دیئے گئے ـــ بت توڑ دیئے گئے ـــ بلال نے کعبہ کی چھت پر اذان کہی ـــ اسلام کی اذان ـــــ اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو بلانے کی منادی۔

اللہ اکبر، اللہ اکبر ـــــــــ

جو لوگ اب تک مشرک تھے، انہوں نے بھی اب رسولِ محترم کے ہاتھ پر اسلام کی بیعت کر لی ـــــ سیّدہ ام کلثوم اپنی بہن فاطمہ سمیت اسی سال مکّہ آئیں، اپنی امّی کا گھر دیکھا، اس بین بچپن کی سعید گھڑیوں کو یاد کیا۔ جس کا تعلق باباجان کی نبوّت سے تھا، جس کی وجہ سے مکّہ کی سرزمین تنگ تھی۔ اور مکّہ والے سفّاک وجلّاد ـــ اور اب؟

سیّدہ عمرہ و زیارت کے بعد اپنے میاں سمیت مدینہ منورہ تشریف لائیں ـــــ مدینہ پہنچنے کے بعد بیماری نے انہیں اپنی لپیٹ میں لے لیا ـــــ یہ بیماری ان کی آخری بیماری تھی ـــــ حتیٰ کہ ۹ھ میں ان کی بے چین روح اپنے خالق کے حضور پہنچ گئی ـــــــ سیّدہ چل بسیں، ان کے اولاد مطلق نہ ہوئی ـــــــ آہ! یہ سفر بہن رقیہ کی مانند تھا ـــــ رسولِ محترم کا صدمہ اور غم اتنا زیادہ تھا کہ اس کا بیان ممکن نہیں ـــــ بہن رقیہ کے پہلو میں قبر بنی، بابا نے بیٹی کو قبر میں لٹایا ـــــ آپ کا دل زخمی تھا اور آنکھیں نمناک، صحابہ ہمراہ تھے، سب کے چہروں پر گھرے غم کے بادل!

سیّدہ کی وفات کے ایک سال بعد رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے ربِ کریم کی ملاقات کے سفر پر روانہ ہوگئے ـــــــــــــــ "اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ" کی خواہش پوری ہوگئی۔

رہ گئے سیدنا عثمان، تو وہ رسولِ محترم کی دو صاحبزادیوں کے بعد غم کے سمندر میں ڈوب گئے ـــــ لیکن وہ برابر راہِ حق میں مصروف جہاد رہے تا آنکہ سیدنا الامام فاروق اعظم کے بعد امت مسلمہ کی قیادت کا تاج ان کے سر پہ آیا۔

فرضی اللہ تعالیٰ عنہم و عنہن اجمعین ـــــ برحمتک یا ارحم الراحمین۔

○

اہل البیت: (٦)

سیّدہ فاطمہ

(سلام اللہ تعالیٰ علیہا و رضوانہ)

حضرت نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم

کی

عزیزہ و محبوب بیٹی

(۱)

سیّدہ فاطمہ سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ۵ برس قبل پیدا ہوئیں۔

سیّدہ خدیجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جو اولاد ہوئی، اس میں سے آخری اولاد، آپ[1] ہیں اور چار بیٹیوں "سیّدہ زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ" میں سب سے چھوٹی صاحبزادی۔

جس زمانہ میں سیّدہ کی ولادت ہوئی، ان کے والد بزرگوار، خالقِ کون و مکان سے متعلق غور و فکر اور ان کی عبادت میں مشغول تھے۔ آپ مکّہ معظمہ کے پہلو میں غارِ حرا میں اکثر مقیم رہتے۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت فرماتے اور اس کی عظمت و کبریائی کا مشاہدہ کرنے میں مشغول رہتے ــــ اس مشاہدہ کے لیے کبھی پہاڑوں کو دیکھتے، کبھی وادیوں کو، پھر آسمان کو اور اس میں موجود ستارے، سیارے اور ایسی ہی چیزوں کو، جن میں سے ہر ایک اللہ تعالیٰ کی عظمت و قدرت پر دلالت کرتی ہے۔ اور اس بات کا اعلان کرتی ہے کہ اس کائنات کا خالق ایسا ہے کہ اُس نے اپنی خاص قدرت سے یہ سب کچھ پیدا کیا ــــ گویا:

ہر گیا ہے کہ از زمین روید ۔۔۔ وحدہٗ لاشریک گوید

---

[1] میرے خیال میں یہ فاضل مؤلف کا سہو ہے۔ آخری اولاد ہونے کا شرف سیّدنا عبداللہ المعروف طیب و طاہر کو حاصل ہے۔ جو نبوت کے بعد پیدا ہوئے اور جن کی وفات پر کفار قریش نے غیر معمولی خوشی منائی۔ اور یہ کہا کہ محمد کریم کی نسل ہی ختم ہوگئی۔ سورۂ الکوثر اس پس منظر میں نازل ہوئی۔ جس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دشمنوں کے مقطوع النسل ہونے کا ذکر فرمایا گیا۔ واللہ اعلم (علوی)

اسی زمانہ میں سیّدہ کی بڑی ہمشیرہ سیّدہ زینب سلام اللہ تعالیٰ علیہا ورضوانہ کی شادی ان کے چچازاد العاص بن الربیع سے ہوئی۔ پھر دوسری دو بہنوں سیّدہ رقیہ اور سیّدہ ام کلثوم کی نسبت عتبہ اور عتیبہ سے ہوئی جو پیغمبر محترم کے چچا ابولہب کے بیٹے تھے۔ سیّدہ فاطمہ نے اپنی ہر تین بہنوں کے رشتہ ازدواج کی حقیقت تو نہ سمجھی ——— کہ بچی تھیں ——— البتہ اس تقریب کو دیکھا۔ اور بڑی ہمشیرہ کو اپنے گھر سے دوسرے گھر منتقل ہوتے بھی دیکھا ——— گویا یہ اس کا اعلان تھا کہ دوسری بہنوں کے ساتھ بھی یہی ہوگا۔ اور خود ان کے ساتھ بھی ایک وقت میں ایسا ہی ہوگا۔

وہ اپنی معصوم عمر کے سبب "شادی" کے معنی و مفہوم سے واقف نہ تھیں، اور عزیز بہنیں جو گھر کی رونق اور زینت کا باعث تھیں۔ ان میں سے ایک کی گھر سے دوری اور دوسروں کی گھر سے دور ہو جانے کے ابتدائی معاملات کو سمجھ نہ سکیں۔

○

اسی اثناء میں ان کے والد بزرگوار پر وحی نازل ہوئی ———
انہیں حکم دیا گیا کہ ذرا اس کی بشارت سے دوسروں کو آگاہ کریں اور بالخصوص اپنے اعزہ اور اقارب سے بسم اللہ کریں ——— سیّد دوعالم نے رسالت کا بوجھ اپنے کندھوں پر اُٹھایا۔ اور آپ کی تکذیب کرنے والے مشرکوں سے آپ کا نزاع اور اختلاف شروع ہوا ——— انہوں نے آپ کے راستہ کو روکا، آپ سے جنگ چھیڑنے کی ٹھان لی۔ اور اختلاف و جھگڑے کا ہر طریقہ اختیار کیا۔ جو ان کے بس میں تھا۔ اور جو وہ کر سکتے تھے۔

پیغمبر محترم کی اہلیہ سیّدہ خدیجہ طاہرہ اپنے خاوند گرامی کے دوش بدوش ان کی حمایت و تعاون کے لیے سرگرم عمل تھیں۔ اس کی نصرت، اس

کی تبلیغ اور اسکی تہذیب کے لیے اپنی مالی و جانی طاقتیں صرف کر رہی تھیں اور دشمنانِ اسلام جو مشکلات اور پریشانیاں پیدا کر رہے تھے۔ ان کے مدمقابل استقامت کا پہاڑ بنے کھڑی تھیں۔

نبی محترم اور آپ کی زوجہ محترمہ مشرکین مکّہ کے مدّمقابل پوری طاقت سے سرگرم جہد تھے ـــــ اِن حالات میں سیّدہ فاطمہ ـــــ جن کی عمر محض ۵ برس تھی ـــــ کا کیا حال ہوگا؟

اِن کے معصوم ذہن پر تنہائی اور رنج و غم کے بادل منڈلا رہے تھے ـــــ اور گھر میں کوئی نہ تھا۔ جس کے ساتھ ان کا معصوم بچپن گزر سکے ـــــ اس لیے وہ سراپا خاموشی بن کر رہ گئیں، تنہائی اور رنج و غم اِن کا سرمایہ تھا ـــــ ہمشیرگان جن کے ساتھ وہ مانوس تھیں، جن سے باتیں کرتی تھیں، جو ان کو محبّت، پیار، مؤدت اور عزّت سے چاہتی تھیں ـــــ ان میں سے ایک رخصت ہو چکی تھی، تو دو کا چل چلاؤ تھا۔ ـــــ فاطمہ ـــــ ننھی اور معصوم عمر کی بچی ـــــ اپنی عمر کے حوالہ سے کھیل کود کے بجائے غم والم کی دنیا کا شکار تھی ـــــ گویا اسے اپنے بچپن میں بھی میسّر آیا ـــــ خوشی کے بجائے غم۔ راحت و سکون کے بجائے بے چینی و بے کلی۔ بہنیں تھیں تو وہ گھر کی چار دیواری کے لیے گویا اجنبی اور باپ اور ماں تو وہ نبوّت و رسالت کی ذمّہ داریوں میں مشغول، تو اس معصوم گڑیا کے لیے باقی کیا تھا؟[1]

---

[1] پیغمبر اسلام و مسلمین، امام خاتم و معصوم نبی علیہ السلام کی بیٹیوں میں سے بڑی سیّدہ زینب کا نکاح حقیقی خالہ زاد سے ہوا ـــــ جو دیر تک حالتِ کفر میں رہے لیکن انھوں نے کفارِ مکّہ کے اس مطالبہ پر ـــــ کہ زینب کو طلاق دے دو ـــــ جس طرح منہ توڑ جواب دیا، اور پھر دینگ مروّت و شرافت کا مظاہرہ

گو کہ فاطمہ گھر بیں تنہا نہ تھیں، بلکہ ان کے والد بزرگوار کے چچا زاد

کیا وہ ایک مثال ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ دنیا شرفاء کے وجود سے کبھی خالی نہیں ہوئی، رہ گیئں دوسری دو صاحبزادیاں ـــــ سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم ـــــ تو ان کا نکاح یا نسبت بلا شبہ ابو لہب کے بیٹوں سے ہوا ـــــ وہ ابولہب جو حضور اکرم کا حقیقی چچا تھا ۔ جس نے محمد کریم کی ولادت کی خوشی میں اپنی لونڈی آزاد کی ـــــ زبردست دعوت کی، لیکن بدنصیب اسلام سے محروم رہا ـــــ اس کے بیٹے عتبہ اور عتیبہ نے اپنی والدہ کے اصرار پر ان رشتوں کو توڑا ـــــ اگر رخصتی ہو چکی ہوتی اور پھر اسلام کی خاطر نبی کی بیٹیوں کو طلاق ہوتی تو بھی حیرت کی بات نہ تھی ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے نبی کو بڑی مشکلات سے دو چار ہونا پڑتا ہے ۔ لیکن واقعہ یہی ہے کہ یہ محض نسبت تھی ۔ اور بقول بعض نکاح بھی ہوا، لیکن رخصتی کی نوبت نہ آئی ـــــ عتبہ اور عتیبہ میں سے عتیبہ نے ایک موقعہ پر اپنے والدین کی طرح حضور کی شدید توہین کی جس کی یاداش میں وہ المناک اور عبرتناک انجام سے دوچار ہوا ۔ عتبہ بہت دیر میں مسلمان ہوئے ۔ لیکن صحابیت کا شرف حاصل ہوا ۔ پھر حضرت رقیہ چونکہ جناب عثمان سے بیاہی جا چکی تھیں ۔ اس لیے رشتہ کی سعادت سے محروم رہا ۔ دونوں صاحبزادیوں سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم کا رخصتی سے قبل ہی طلاق ہو جانا مسلمہ حقیقت ہے ـــــ اس سلسلہ میں اردو داں حضرات کے لیے حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی مہاجر مدینہ کے رسالہ "حکایات صحابہ" میں شافی بحث موجود ہے ۔ دیکھیں ص ۱۴۲ تا ۱۴۷ ـــــ مزید تفصیل کے لیے تاریخ خمیس زرقانی، الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ اور اسد الغابہ کو دیکھیں ۔ (علوی)

علی بن ابی طالب، اس گھر میں آ گئے تھے ۔۔۔۔۔ ان کی عمر اس وقت محض نو ۹ برس تھی ۔۔۔۔ اسی طرح گھر میں سیّدنا زید بن حارثہ ۔۔۔۔ پیغمبر اسلام کے چہیتے خادم اور "برکتہ ام ایمن" ۔۔۔۔ سیّدہ آمنہ ۔۔۔۔ پیغمبر اسلام کی والدہ محترمہ ۔۔۔۔ کی خادمہ بھی تھیں ۔۔۔۔ لیکن والدین جن حالات کا شکار تھے ۔۔۔۔ اور جنہیں زندگی کی جس منزل سے گزر رہی تھیں ۔۔۔۔ اس کی وجہ سے جو بُعد و تنہائی کی کیفیت تھی ۔۔۔۔ اس کا بدل کون تھا؟ پھر یہ کہ کوئی ہم عمر بچہ، بچی نہ تھے جن سے کھیل کھود کا مشغلہ ہو سکے جو بچوں کی ضرورت اور ان کی فطرت ہے ۔۔۔۔ یہ صحیح کہ سیّدنا علی ایک مہربان بھائی اور عزیز کے طور پر ان کے ساتھ بے حد شفقت و مروّت کا مظاہرہ کرتے اور جنابہ ام ایمن ان کی ضروریات کا اس طرح لحاظ فرماتیں گویا من وسلویٰ کا اہتمام فرماتیں تھیں ۔۔۔۔ لیکن ان کے قلب و نظر فکر و غم کی دنیا سے معمور رہتے!

(۲)

سیّدہ خدیجہ شدید مصروفیات کے باوصف لمحہ بھر کو بیٹی سے غافل نہ تھیں ۔۔۔۔ وہ جانتی تھیں کہ کوئی ہم عمر نہ ہونے کے سبب ان کی بیٹی کس طرح بجھی بجھی رہتی ہے ۔۔۔۔ اس لیے ان کا اپنا دل بجھا ہوا تھا۔ اور خوشیوں سے محروم ۔۔۔۔ خوشگوار فضا اور کھیل کود کے لیے مناسب ماحول نہ تھا۔ جس کا بیٹی پر اثر تھا ۔۔۔۔ سیّدہ خدیجہ اگر بیٹی کو بہلانے کی فکر بھی کرتیں تو بیٹی نہ کھلتی۔ کیونکہ اس کے لیے ہم عمری کے تقاضے لازم ہیں۔

ایک دن ۔۔۔۔ وہ وقت آیا کہ فاطمہ نے ۔۔۔۔ اپنی بہنوں کے

متعلق پوچھ لیا ــــ ماں نے بہت احتیاط سے جواب دیا۔

بیٹی ــــ وہ شادی کی منزل سے ہمکنار ہو گئیں ــــ فاطمہ نے معصومیّت سے شادی کا مفہوم پوچھا تو ماں نے عمر کے تقاضے کے حوالہ سے اس سوال کا جواب واضح لفظوں میں دینا گوارا نہ کیا ــــ بلکہ بیٹی کو گلے لگا کر مسکراتے ہوئے کہا ــــ فاطمہ، تیری بہنوں کا وہی حال ہے جو میرا ــــ کہ میری شادی تمہارے ابو سے ہوئی ہے۔

ہونہار بیٹی نے حقیقتِ حال محسوس کر کے خاموشی اختیار کر لی ــــ ساتھ ہی ان کی نگاہیں زمین میں گڑ گئیں۔ اور ان کی اندرونی کیفیت عجیب تھی ــــ اضطراب اور پریشانی کھائے جا رہی تھی۔

پھر سیّدہ نے ماں سے پوچھا ــــ اماں، میں نے سُنا کہ آپ فرما رہی تھیں ــــ کہ میرے ابو اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس کا معنی کیا ہے؟ ــــ سیّدہ نے جواب دیا ــــ ہماری بیٹی ــــ واقعی تمہارے ابو نبی ہیں۔

"بلاشبہ تمہارے ابو کو اللہ تعالیٰ نے ایک سیدھے سادھے دین کے ساتھ بھیجا ہے۔ وہ صرف اور صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کی دعوت دیتے ہیں ــــ جو ہر طرح کی قدرتوں کا مالک ہے ــــ اور یہ کہ قریش جن پتھروں کی عبادت کرتے ہیں۔ وہ محض اندھے بہرے پتھر ہیں ــــ ایسے ہی جن سے بچے پہاڑوں کی گھاٹیوں میں کھیلتے ہیں"

سیّدہ فاطمہ نے پوچھا ــــ امّی، اس دین کا نام کیا ہے؟

امّی نے جواب دیا ــــ بیٹی اس کا نام دینِ اسلام ہے!

سیّدہ نے اپنی ذکاوت سے ماں کی بات کا مفہوم خوب سمجھ لیا ــــ

اور اپنے پاکیزہ احساسات کے ذریعہ محسوس کر لیا کہ اس عظیم ذمّہ داری کی وجہ سے ان کے عظیم باپ پر کیا گزر نے والی ہے!

اسی لمحہ انھوں نے اپنا معصوم تعاون اپنے ابو کے لیے وقف کر دیا —— ابو جہاں جاتے، فاطمہ ساتھ ہوتیں۔ وہ اپنے ابو کو اس طرح چاہتیں اور ان سے اس طرح محبّت کرتیں کہ اس عمر کی بچّی کے لیے اس کا تصور مشکل ہے۔ اس لیے وہ باپ کی عافیّت کے لیے ہر وقت فکر مند رہتیں اور مکّہ کی گلیوں میں ابو کے ساتھ ساتھ ہوتیں —— ابو کے ساتھ کعبۃ اللہ جاتیں —— خفیہ مجالس میں شریک ہوتیں جو اسلام کے ابتدائی دَور کے مسلمانوں کی مدد و تعاون کے لیے ہوتیں۔

ایک دن رسولِ محترم کعبہ گئے۔ اس کے صحن میں تشریف فرما ہوئے —— اللہ تعالیٰ کے لیے دو رکعت پڑھیں —— فاطمہ پہلو میں تشریف فرما تھیں اور اپنے معصوم دل کے ساتھ گھبراہٹ کا شکار! آپ سجدہ میں تھے کہ ایک مشرک گزرا۔ اس نے مذاق اڑایا اور کچھ گندگی پھینکی —— فاطمہ نے آگے بڑھ کر اس گندگی کو دور کیا۔

نماز سے فارغ ہو کر آپ نے اس بد بخت مشرک کے لیے بد دعا فرمائی۔ سیّدہ رو دیں —— پیغمبرِ اسلام نے فرمایا:

بیٹی —— رو مت، اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کر کے چھوڑے گا۔

اگلے دن پیغمبرِ اسلام طواف میں مشغول تھے —— فاطمہ ساتھ تھیں —— بعض قریشی جمع ہو گئے۔ انھوں نے کپڑا آپ کے گلے میں ڈال کر اسے بٹ دیئے —— خطرہ تھا کہ آپ کا دم گھٹ جائے —— فاطمہ چلّائیں اور مدد کے لیے پکارا۔

سیّدنا ابوبکر دوڑے ہوئے آئے —— ان نامرادوں کو دھکّے دے کر ہٹایا اور فرمایا:

"اس مردِ دانا کو کیوں قتل کرتے ہو جو کہتا ہے کہ میرا رب اللہ تعالیٰ ہے"

وہ نامراد ـــــ ابوبکر پہ پل پڑے ـــــ مار مار کر لہولہان کر دیا۔

اس طرح فاطمہ ان تمام حالات کو دیکھتی رہیں اور مشاہدہ کرتی رہیں کہ ان کے ابو کے ساتھ کیا زیادتیاں ہو رہی ہیں۔

اس طرح گویا وہ بچپن کی عمر میں ـــــ جو کھیل کود اور فراغت کی عمر ہے ـــــ اپنے باپ کے ساتھ دینی جہاد میں مشغول رہیں۔

۳

رسولِ محترم کے گھر عظیم صدمہ پیش آیا ـــــ سیّدہ فاطمہ کی والدہ ـــــ خدیجہ ـــــ انتقال فرما گئیں ـــــ رسولِ محترم شدید صدمہ کا شکار تھے ـــــ وہ محسوس فرماتے کہ ان کا عظیم ساتھی اور معاون و مددگار چل بسا ـــــ ایسا ساتھی جو قریش کے گھر گھر دعوت دینی پہنچانے کے لیے سرگرم عمل تھا ـــــ تو راہ حق میں آنے والی پریشانیوں اور مصائب کے دفاع کے لیے مضبوط سہارا!

اس کے انتقال کے وقت تھی ـــــ بچپن سے بلوغت کی منزل میں قدم رکھ رہی تھیں ـــــ انہوں نے محسوس کیا کہ مصائب کا پہاڑ ان پہ ٹوٹ پڑا ـــــ ان کا رونا ایسا تھا جس سے ہر سننے والے کا دل دھل جاتا ـــــ غم اور صدمہ کی وجہ سے ان کا یہ حال ہو گیا کہ ان کی صحت کے لالے پڑ گئے اور ان کی موت کا خطرہ سر پہ منڈلانے لگا۔

اب وہ سچ مچ "تنہا تھیں ـــــ آہ ماں ـــــ پیاری ماں ـــــ انہوں نے محسوس کیا کہ ان کے سر پر بھاری بوجھ آ گیا ہے۔ اور وہ تنہا ہر

اس بوجھ کو اُٹھانے کی ذمہ دار ہیں ـــــ ان کی والدہ اب سے پہلے رسول محترم کے لیے جس طرح سراپا حرکت عمل تھیں ـــــ ڈھارس اور سہارا تھیں وہ حال اب ان کا تھا ـــــ وہ ہر لمحہ پیارے ابو کی خیریت کی فکر کرتیں، اور جس طرح ان کی پیاری والدہ ـــــ رسولِ محترم کی راحت رسانی کے لیے فکرمند ہوتیں اور آپ کو ٹوٹ کر پیار کرتیں ـــــ اب فاطمہ نے وہ جگہ لے لی۔

وہ اپنا بچپن و ماضی بھول گئیں، اور ذاتی مستقبل سے بے فکر ہو کر صرف اور صرف باپ کی خدمت کے لیے وقف ہوگئیں۔ کفّار اور مشرکین سے معرکہ آرائی میں وہ باپ کے ہمرکاب و ہمسفر ہوتیں اور یہی ان کا مشن تھا ـــــ حتیٰ کہ مکّہ میں ان کا نام پڑ گیا ـــــ فاطمہ ـــــ "جو اپنے باپ کی گویا ماں ہے" ـــــ کیونکہ وہ اپنے عظیم باپ کے لیے اسی طرح کا کردار ادا کر رہی تھیں۔ جس طرح ماں بچے کے لیے کرتی ہے ـــــ اور وفادار بیٹی کا کردار ـــــ ایسی مخلص سہیلی کا کردار جو ہلاکت خیز گھڑیوں میں معاون ہو ـــــ خطرات میں شریک و سہیم ہو اور دُکھوں میں ہمدرد و غمگسار!

فاطمہ ـــــ رسولِ محترم کی سب سے چھوٹی بیٹی تھیں اور حضورِ اقدس کو انتہائی محبوب ـــــ آپ اس بیٹی سے اس طرح محبّت فرماتے اور اس طرح چاہتے کہ باید و شاید؟ حتیٰ کہ آپ کی صاحبزادی سے محبت ـــــ ایک ضرب المثل بن گئی۔

سبب واضح تھا کہ یہ معصوم جان بچپن میں ہی کھیل کود سے محروم ہو گئی ـــــ بہنوں کے بعد کھیل کا معاملہ تھا تو بس ماں کے ساتھ ـــــ جو بے حد مصروف تھیں ـــــ پھر باپ کے ساتھ شریکِ جہاد ہوگئیں۔ ابو کا غم ان کا غم تھا۔ اور باپ کے دکھ اور پریشانیاں ان سے دیکھی نہ

جاتی تھیں ـــــ پھر اپنی ماں کے انتقال کے بعد رسول محترم کے لیے انھی جیسا کردار ادا کیا ـــــ اپنے آپ کو باپ کی محبّت، آرام اور سکون کے لیے قربان کر دیا ـــــ اسی لیے رسول اکرم اس بیٹی کو اس طرح چاہتے کہ کوئی کیا چاہے گا؟

آپ نے فرمایا:

"فاطمہ کی ناراضی میں میرے اللہ کی ناراضی ہے، اور اس کی رضا میں میرے مالک کی رضا ہے۔ اور یہ کہ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے ـــــ اس کی خوشی میری خوشی اس کی ناراضی میری ناراضی"۔

○

پیغمبر اسلام کی ہجرت کے چند ہفتے بعد سیّدہ فاطمہ نے ہجرت کی ـــــ مدینہ میں ان کی رہائش بابا کے مختصر اور واجبی مکان میں تھی۔ وہ مکان جو مسجد مدینہ کے پہلو میں تھا ـــــ مسجد و مکان کو پیغمبر اقدس نے صحابہ کے ساتھ مل کر بنایا تھا۔

صحابہ نے محسوس کیا کہ رسولِ محترم اپنی اہلیہ ـــــ سیّدہ خدیجہ ـــــ کے بعد مسلسل غمگین رہتے ہیں۔ تو انھوں نے عقدِ ثانی کے لیے اشارۃً عرض کیا تاکہ گھر میں دل بہلا دے کا سامان ہو سکے۔ اور گھر میں کوئی دکھ بٹانے والا ہو۔

رسولِ محترم نے بھی مشورہ کے بعد اس کی فکر کی اور سیدہ خدیجہ کے بعد سب سے پہلے "حضرت سودہ بنت زمعہ" سے نکاح کیا۔ سیّدہ سودہ نہ تو جوان تھیں نہ زیادہ خوبصورت ـــــ ان میں کوئی ایسی بات نہ تھی جو ایک مرد کے لیے ترغیب کا باعث ہو۔

لیکن رسولِ محترم نے ان سے نکاح کیا تاکہ ان کے ساتھ شفقت کا مظاہرہ ہو سکے ـــــ ان پہ مہربانی نچھاور ہو سکے۔ کیونکہ ان کے میاں السکران بن عمرو ـــــ انتقال کر گئے تھے۔ اور یہ دونوں میاں بیوی ابتدائی دَور کے مسلمان تھے۔ رسول محترم سے ان کی شادی ان کی فضیلت کا اعتراف تھا، ان کے ساتھ شفقت تھی ـــــ وہ سن رسیدہ تھیں ـــــ اور رشتہ ازدواج کی خاص عمر سے آگے جا چکی تھیں ـــــ اب سیّدہ فاطمہ کے ساتھ اسی گھر میں سیّدہ سودہ مقیم تھیں۔

سیّدہ فاطمہ نے اپنے والد کے گھر کو اس وقت چھوڑا، جب سیّدہ عائشہ بنت ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور اقدس کے حبالہ عقد میں آ گئیں ـــــ وہ کم سن جوان تھیں ـــــ اور سراپا حسن و جمال ـــــ اس جدائی و فرقت کا سبب یہ تھا کہ ان کی شادی اپنے والد بزرگوار کے چچا زاد ـــــ سیّدنا علی مرتضیٰ سے ہو گئی ـــــ جو صحابہ کرام میں حضور اکرم کو بہت محبوب تھے۔

(۴)

سیّدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ـــــ کا لقب "الزہرا" تھا ـــــ یہ اس لیے کہ ان کا چہرہ بہت سفید تھا۔ جس سے انوار ٹپکتے تھے۔ وہ نماز ادا فرماتیں تو ان کے چہرہ کے نور سے محراب روشن ہو جاتی ـــــ اور دائیں بائیں کا ماحول روشن ہو جاتا۔

ان کا لقب "البتول" بھی تھا ـــــ کیونکہ وہ عورتوں کے اختلاط سے دُور رہتیں اور ان کے شب و روز اللہ تعالیٰ کی عبادت، نماز اور قراءت قرآن میں گذرتے گویا ع

گوشہ میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

سیّدہ ـــــ شکل و شباہت میں اپنے ابّا کے بہت مشابہ تھیں ـــــ سفید رنگت سرخی مائل ـــــ سیاہ بال، جن میں مہندی رنگ کی آمیزش تھی۔ سیّدہ عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"میں نے اللہ تعالیٰ کے نبی سے گفتگو اور کلام میں ان کی بیٹی فاطمہ سے بڑھ کر مشابہ کسی کو نہیں دیکھا۔ وہ ابا حضور کی طرح چلتیں ـــــ جب سیّدہ ابا کو ملنے آتیں تو حضور اکرم ان کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیتے، اس کو بوسہ دیتے اور بیٹی کو خوش آمدید فرماتے اور جب حضور اقدس بیٹی کے یہاں جاتے تو وہ سرو قد کھڑے ہو کر ابّا حضور کو خوش آمدید کہتیں، آپ کے ہاتھوں کو بوسہ دیتیں اور احترام سے آپ کے پہلو میں بیٹھ جاتیں۔"

اور رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیٹی کے متعلق ارشاد فرماتے:

"جس نے فاطمہ کو راضی کیا، اس نے اللہ تعالیٰ کو راضی کیا جس نے انہیں ناراض کیا اس نے اللہ پاک کو ناراض کیا۔ فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہیں ـــــ ان کی خوشی میں میری خوشی، اور ان کی ناراضی میں میری ناراضی!"

اور حضور اکرم نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

دنیا بھر کی عورتوں میں سے چار خواتین بہتر ہیں۔

"کنواری مریم ـــــ آسیہ (فرعون کی اہلیہ)

سیّدہ خدیجہ، اور فاطمہ بیٹی۔"

فاطمہ کے لیے اپنے بابا کے دل میں ایسے ہی محبّت بھرے جذبات

تھے ـــــ محبّت و اکرام کے حوالہ سے اپنی والدہ سیّدہ خدیجہ کے بعد سیّدہ فاطمہ کا نمبر تھا ـــــ بڑا مقام، رفعت و بلندی ـــــ ایسی جس نے کائنات کے بہترین انسان اور مکرم ترین بندے محمد علیہ السلام کے قلب مبارک کو معمور کر رکھا تھا۔

سیدہ کریم الاخلاق تھیں ـــــ شریف النفس، بات کی سچّی، مسکینوں پر مہربان، اپنے پاس موجود ہر چیز سائلوں کو بخش دینے والی ـــــ گو کہ خود بھوکا رہنا پڑے ـــــ دنیا مرغوبات اور اس کے مال و اسباب سے مطلق لاتعلق! زاہد و متقشف، اپنے پاک پروردگار کی محبّت میں ان کا دل ڈوبا ہوا تھا ـــــ رات رات بھر سیّدہ سجدہ میں پڑی اللہ تعالےٰ کی عبادت میں اور اس کی تسبیح میں مشغول رہتیں ـــــ اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں اور اس کے جود و بخشش کو یاد کر کے اس کا شکر بجا لاتیں۔

سیّدہ اپنے والد گرامی کے حوالہ سے ارشاد فرماتی ہیں:

"میں نے بابا سے سُنا ـــــ فرماتے کہ میرے پروردگار نے فرمایا کہ تم چاہو تو بطحاء مکہ کو سونے میں بدل دوں، میں نے عرض کیا ـــــ نہیں میرے اللہ! میری خواہش یہ ہے کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں، اور ایک دن بھوکا رہوں۔ جس دن بھوکا ہوں تجھے یاد کروں، اور تیری بارگاہ میں تضرع کروں ـــــ جس دن پیٹ بھر کر کھاؤں تو تیری حمد و ثنا کروں"۔

اسی لیے انھوں نے بابا کی تعلیم کے مطابق زاہدانہ زندگی گزاری ـــــ دنیا اس کی مرغوبات اور اس کی پسندیدہ چیزوں سے دور، دور! سیدہ نے اپنے بابا سے فصاحت و بلاغت اور حکمت کو وراثت کے طور پر پایا۔

وہ پسِ پردہ لوگوں سے خطاب کرتیں تو لوگ شدید رونے کا شکار ہو جاتے بات کرتیں تو دل دہل جاتے، جسم پر کپکپی طاری ہو جاتی، اللہ تعالیٰ کے حمد و شکر سے دل پسیج جاتے ــــــ مالک الملک کی نعمتوں کا عرفان، انہیں خوب حاصل تھا۔ اور فضلِ الٰہی پر شکر میں ان کا رواں رواں ڈوبا رہتا۔

(۵)

سیّدہ کی عمر ۱۸ برس کی ہوئی تو اشراف قریش ان کے رشتہ کے لیے حاضری دینے لگے ــــ لیکن سیّدہ کا حال یہ تھا کہ:

کہ متاعِ دنیا سے مجھے مطلق رغبت نہیں ــــ میرے بابا نے میری امی کے بعد ایک عرصہ تنہائی میں زندگی گزاری ــــ امی کے بعد میں اپنے ابو کے لیے ماں، دوست اور سہیلی کا کردار ادا کرتی رہی۔ ان کی خدمت میرا مقصدِ حیات تھا، ان کے معاملات کی دیکھ بھال میرا لازمی فریضہ تھا، وحی الٰہی کی تبلیغ میں اور اس راہ کی مشقتوں میں ان کی معاونت میرا وظیفہ حیات!"

جب رسولِ محترم نے سیّدہ عائشہ صدیقہ ــــ جیسی نوجوان عمر اور صاحبِ حسن و جمال ــــ خاتون سے شادی کر لی ــــ وہ عائشہ، جسے رسول محترم بہت چاہتے، اس کو دوسروں پر ترجیح دیتے کیونکہ وہ ان کے دوست اور محبوب ساتھی ــــ ابوبکر کی بیٹی تھیں ــــ جو پہلے مسلمان تھے ــــ مدینہ کی ہجرت کے ساتھی ــــ تو اب سیّدہ فاطمہ نے محسوس کیا کہ ابا کی تنہائی کا علاج ہو گیا اور میری امی ــــ سیّدہ خدیجہ کے بعد جو پریشانی کا ماحول تھا سیّدہ

عائشہ کے سبب اس کی تلافی ہوگئی ــــ تسلی، دل و جان کا آرام اور سکون میسر آگیا ــــ نواب وہ شادی کے لیے رضامند ہوگئیں۔

انہی ایام میں جناب صدیق اکبر نے حاضر ہوکر فاطمہ کے رشتہ کی خواہش ظاہر کی ــــ رسولِ محترم نے دیکھا پر جواب نہ دیا۔ ابوبکر متاسف ہوکر چلے گئے ــــ سمجھ گئے یہ بیل منڈھے نہ چڑھے گی ــــ حضرت عمر کو اس صورتِ حال کا علم ہوا تو وہ اپنی ذات کے لیے حاضر ہوئے لیکن انہیں بھی جواب نہ ملا۔ وہ بھی غمزدہ چلے گئے ــــ نواب سیدنا علی نے محسوس کیا کہ یہ رشتہ شاید میرے لیے محفوظ ہے ــــ ان کی پرورش کاشانۂ نبوت میں فاطمہ کے ساتھ ہوئی تھی ــــ عزیز داری پہلے بھی تھی۔ اور رسولِ محترم اپنے عزیزوں میں سے ان کے ساتھ بہت محبت کا معاملہ فرماتے۔

سیدنا علی ہمت کر کے کاشانہ نبوت پر گئے ــــ سیدہ ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر رسولِ محترم کا قیام تھا ــــ وہ فرماتی ہیں ــــ دروازہ کھٹکھٹایا گیا تو مجھے اٹھ کر دروازہ کھولنے کا ارشاد ہوا ــــ دروازہ کھٹکھٹانے کے وقت اپنا نام بتلانا آداب میں شامل تھا، اس سے اندر والے معلوم کر لیتے کہ کون ہے؟ ــــ فرمایا ــــ جو دروازے پر ہے اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محبت فرماتے ہیں۔

میں نے عرض کیا ــــ میرے ماں باپ قربان ــــ وہ کون ہے؟

فرمایا ــــ وہ میرا بھائی اور بہت ہی پیارا ــــ علی ہے ــــ

علی اندر آئے تو نبی علیہ السلام کے سامنے بیٹھ گئے، نظریں جھکی ہوئی تھیں اور مکمل خاموشی ــــ نبی علیہ السلام نے فرمایا ــــ علی کیا بات ہے؟

عرض کیا ــــ آقا ــــ آپ جانتے ہیں، میرا آپ کا تعلق کیا

ہے؟ اور یہ کہ آپ ہی میرے لیے ذخیرہ حیات اور دنیا و آخرت کا وسیلہ ہیں ـــــ میں فاطمہ کے رشتہ کے لیے آیا ہوں ـــــ کیا آپ اس کو قبول فرمالیں گے؟

○

رسولِ محترم نے جواب دیا:

"علی! فاطمہ تیرے لیے اور تو اس کے لیے ـــــ مجھے اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ اس کے نکاح کا حکم دیا ہے[1]"

لیکن تمہارے پاس مہر کے لیے کچھ ہے؟ علی نے عرض کیا، گھوڑا

---

[1] سیدہ فاطمہ ہی نہیں ـــــ حضورِ اقدس کی تمام صاحبزادیوں کا نکاح بحکم الٰہی ہوا۔ اور آپ نے جتنے نکاح کئے وہ بھی بحکم الٰہی ـــــ آپ کی بیویوں میں حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے نکاح کا قصہ خود قرآن میں ہے (الاحزاب ۳۷) اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے متعلق "واقعہ افک" میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سوال پہ حضورِ اقدس نے فرمایا ـــــ میں نے ہر نکاح اللہ کی مرضی سے کیا ـــــ "عیون الاثر" میں روایت ہے "عطیۃ الاوفی ـــــ جناب ابو سعید سے روایت کرتی ہیں کہ آقائے مدنی، رسولِ رحمت، امام خاتم نے ارشاد فرمایا:

"میں نے کسی عورت سے شادی نہیں کی اور نہ ہی اپنی کسی بیٹی کا نکاح کیا ـــــ مگر اس وقت جب جبریل امین اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی لے کر تشریف لائے ـــــ سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح وحی سے ہونے کا ذکر الاصابہ، اسد الغابہ، زرقانی اور تاریخ خمیس میں ہے۔ (علوی)

اور زرہ!

نبی محترم نے فرمایا ـــــ جہاد کے لیے گھوڑا رکھ لو، زرہ بیچ کر نکاح کا سامان کرو۔

سیدنا علی گویا خوشی سے اُچھلتے ہوئے حضرت عثمان کے پاس گئے چار سو درہم میں زرہ بیچ کر رقم ہاتھ میں لے کر واپس ہونے لگے تو حضرت عثمان نے روک لیا اور فرمایا:

"برادر من! رسولِ محترم کی بیٹی سے نکاح کی خوشی میں یہ رقم میری طرف سے ہدیہ اور زرہ واپس۔"

سیدنا علی بے حد شکریہ ادا کرتے ہوئے رقم لے کر پیغمبر اقدس کے یہاں گئے اور سامنے رکھ کر کہا:

"یہ فاطمہ کا مہر ہے ـــــ اور یہ زرہ بھائی عثمان کا ہدیہ ہے۔ اس سے میں اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کروں گا۔"

رسولِ محترم نے..... رقم لے لی اور حضرت بلال بن رباح ـــــ مؤذن رسول ـــــ کو دے کر بازار بھیجا ـــــ اور فرمایا:

"بلال جاؤ اور شادی کی ضروریات خرید کر لاؤ ـــــ بلال گئے اور سامان خرید کر لائے ـــــ کیا؟ ایک چارپائی جو لکڑی کے دو کھردرے تختوں سے بنی ہوئی تھی ـــــ مونج کی بٹی ہوئی رسی سے بنی ہوئی۔ ایک بچھونا اونٹ کی اون سے بنا ہوا، چمڑے کا ایک تکیہ، جس کے اندر کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی، دنبہ کی ایک پوستین، مٹی کی ہنڈیاں ـــــ کھانا پکانے کے لیے، چکی آٹا پیسنے کے لیے، پانی کے لیے مشکیزہ، عطردانی اور چاندی کی دو چوڑیاں تاکہ شادی کے

موقعہ پر استعمال کی جا سکیں۔"

یہ رسولِ محترم کی صاحبزادی کا جہیز تھا اور بس ـــــ رسولِ محترم نے نکاح پڑھایا، حاضر موجود صحابہ کے سامنے کھجوروں کا طبق رکھ دیا اور فرمایا ـــــ کچھ بکھیر دو۔

انصار کے بزرگ صحابی نے اس خوشی میں دو تازے دنبے ذبح کئے اور حاضرین نے سیر ہو کر کھایا۔

پھر رسولِ محترم نے اپنی صاحبزادی کو سیّدنا علی کے گھر بھجوا دیا ـــــ "برکتہ ام ایمن" ہمراہ تشریف لے گئیں۔

صلوٰۃ عشاء کے بعد رسولِ محترم سیّدہ فاطمہ کے نئے گھر تشریف لے گئے۔ جناب برکتہ ام ایمن سے فرمایا ـــــ پانی کا کوزہ لاؤ۔ اس پہ بعض دعائیں پڑھیں، پھر میاں بیوی سے فرمایا ـــــ دونوں اس سے پانی پی لو اور باقی سے وضو کر لو ـــــ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر واپس تشریف لائے اور واپسی پر یہ الفاظ زبان مبارک پر تھے۔

"خدایا ـــــ یہ میرے بچے ہیں، ان کی زندگیوں میں برکت دے۔"

◯

حضور اکرم نے واپسی کا قصد کیا تو سیّدہ فاطمہ کو اپنی پیاری والدہ یاد آگئیں ـــــ انہوں نے محسوس کیا کہ انہیں اپنے ابو کا گھر چھوڑ کر پہلی مرتبہ ایسے گھر میں زندگی گزارنے کے لیے آنا پڑا جو ان کے لیے مانوس نہیں اور اس کا ماحول ان کے لیے اجنبی ہے۔ فاطمہ اپنے دل کی بات کو چھپا نہ سکیں۔ ان پر گریہ غالب آ گیا ـــــ رسولِ محترم نے دیکھا اور فرمایا:

"فاطمہ ـــــ روتی ہو ـــــ تم ایسے شخص کے پاس

نہیں آئیں جو ہمارے لیے نامانوس ہے۔

یہ علی ہیں ــــ ہمارے نزدیک ان کا جو مقام ہے اس سے تم واقف ہو ــــ میں نے ان سے تمہاری شادی کی کہ یہ اسلام قبول کرنے میں لوگوں سے بہت مقدّم ہیں ــــ بچّوں میں سب سے پہلے، ان کا مقام بڑا ہے، ادب و فضیلت میں بھی سب سے بڑھ کر ہیں۔ بہادر اور شیر دل بھی ہیں۔"

پھر فرمایا ــــ اور اس طرح کہ آپ نے محبّت و پیار سے فاطمہ کو گلے لگایا ہوا تھا۔

"میں نے حکمِ الٰہی سے تمہارا نکاح ان سے کیا ــــ یہ دارین میں میرے بھائی ہیں ــــ کیا تمہارے لیے یہ باتیں کافی نہیں؟"

سیّدہ نے حضرت علی رضؓ کے ساتھ تنگی ترشی میں زندگی گزار دی ــــ وہاں زندگی کی آسائشوں کا کوئی سامان نہ تھا ــــ وجہ یہ کہ حضرت علی فقیر آدمی تھے، ان کے پاس کچھ نہ تھا۔ اور نہ یہ ان کے بس میں تھا کہ اپنی اہلیہ کے لیے متاعِ حیات کا اہتمام کر سکیں۔

سیّدہ فاطمہ کو اپنے شوہر کے گھر سوائے محرومی کسی چیز سے واسطہ نہ پڑا وہ یاد کرتیں کہ ان کی محبوب بڑی بہن جناب العاص بن الربیع رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اہلیہ تھیں جو قریش کے بہت غنی اور شریف الشان تھے ــــ اور لاڈلی بہنیں رقیہ اور ام کلثوم کی ابتدائی نسبت عتبہ اور عتیبہ سے ہوئی ــــ وہ دونوں بھی صاحب ثروت تھے۔ پھر یکے بعد دیگرے ان کے نکاح سیّدنا عثمان سے ہوا جو غنا و ثروت میں اپنی مثال آپ تھے ــــ یہ سب باتیں وہ یاد کرتیں ــــ ان کا دل غم میں ڈوب جاتا، پریشانیاں مسلّط ہو جاتیں، اور ان کی زندگی نہ ختم ہونے والے رنج کا شکار رہی۔

ــــــ ٭ ــــــ

ایک صبح سیدہ، اپنے بابا کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا:

"ابو! آپ نے اپنی بیٹی کے ساتھ کیا کیا کہ اس کی شادی ایک فقیر شخص سے کردی؟"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت سے دیکھا اور فرمایا:

"فاطمہ! تمہارا نکاح میں نے ایک بڑے آدمی سے کیا اعظم رجال —— افضل رجال —— اللہ تعالیٰ کے نزدیک بہت مکرم!"

تمہارے میاں علی بن ابی طالب —— ہجرت کی رات میرے بستر میں سوئے —— جب کہ قریش میری جان کے درپے تھے اور میرے مکان کا محاصرہ کئے ہوئے تھے۔ اور ان کی عمر ۲۱ برس تھی۔

غزوۂ بدر میں محض ۲۰ برس کی عمر میں اس کے ہاتھ سے ۴۰ کافر قتل ہوئے —— مسلمانوں کی میدان خندق میں بے پناہ مدد کی، جنگِ خیبر کے چودہ [14] قلعوں میں سے ایک قلعہ انہوں نے فتح کرلیا —— اس کی فتح بظاہر ۵۰ آدمیوں سے بھی مشکل تھی۔ اللہ تعالیٰ نے علی کے وجود سے اسلام کو عزت بخشی —— اور ان کی تلوار سے متعدد دشمنوں کے سر کچلے گئے قریش میں ایسی کون سی عورت ہے جس کا خاوند اس طرح پڑھا لکھا، بہادر تنومند ہو —— جیسے تمہارے میاں؟"

سیدہ کو اپنے والد کی باتوں سے کسی قدر تسلی ہوگئی —— وہ اپنے گھر تشریف لے گئیں۔ اب تک ان کے چہرہ سے ایک طرح کی خوشی

اور مسرت کے آثار ہویدا تھے ـــــ رضی اللہ تعالیٰ عنہا۔

(۷)

سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے قوئ جسمانی کمزور تھے، بدن نحیف و نزار، اعمال ضروریہ کی انجام دہی پر ایک عورت جس طرح قادر ہوتی ہے، وہ اس طرح نہ تھیں، بالخصوص ایسے گھر میں جہاں فقر، خشونت و کھردرا پن اور زندگی کی مشقتوں کا ڈیرا ہو۔ اس لیے ضعف اور بڑھ گیا، کمزوری اور تھکاوٹ ان کا مقدر بن گئی۔ ان کے میاں سیدنا علی نے دیکھا کہ وہ بہت ہی نڈھال ہو گئی ہیں تو ان سے کہا:

"فاطمہ اپنے والد بزرگوار کے پاس جاؤ اور گھر کی خدمت اور اپنا ہاتھ بٹانے کے لیے ایک خادمہ لے آؤ، اتفاق سے اس وقت تمہارے ابا جان کے پاس بعض وہ جنگی قیدی لڑکے لڑکیاں ہیں۔ جو مشرکین و کفار کے خلاف جنگوں میں مسلمانوں کے قبضہ میں آئے۔"

سیدہ اپنے میاں سمیت رسولِ محترم کی خدمت میں گئیں اور عرض کیا:

"بابا! کمزوری نے مجھے دوہرا کر دیا، گھریلو مشقتوں نے میری کمر توڑ دی، ـــــ آپ دیکھ رہے ہیں کہ میری صحت بہت بگڑ چکی ہے، اور حالت بہت پتلی ہے کیا میرے ہاتھ بٹانے کے لیے ایک خادمہ کا انتظام ہو سکتا ہے؟"

رسولِ محترم نے نہایت ہی شفقت و پیار سے بیٹی کو دیکھا، لیکن کوئی بات نہ کی ـــــ سیدہ سمجھ گئیں کہ ابا حضور کو یہ بات پسند نہیں اس لیے خاموشی سے میاں سمیت واپس چلی گئیں۔

صلوٰۃ عشاء کے بعد رسولِ محترم بیٹی کے گھر تشریف لے گئے، میاں بیوی آرام کر رہے تھے۔ ایک ہی بچھونا اور چادر جو دو کے لیے ناکافی تھی، اس وقت ان کا سرمایہ تھا ــــ ایسی چادر کہ سر ڈھانکیں تو پاؤں کھل جائیں، پاؤں ڈھانکیں تو سر ــــ انہوں نے رسول محترم کی آمد کو دیکھا تو احترام کے لیے اُٹھنا چاہا، لیکن رسولِ محترم نے روک دیا کہ اپنی جگہ آرام سے رہو ــــ بٹیا کے قریب جا کر اس کے سر کو چوما اور فرمایا:

"بیٹی! میرے پاس جو جنگی قیدی ہیں وہ مسلمانوں کی ملکیت ہیں، وہ صاحبِ حق (میدان میں لڑنے والے) کو ہی مل سکتے ہیں ــــ بس ایسی بات بتانے آیا ہوں جو خادمہ سے کہیں بہتر اور اچھی ہے۔"

سیّدہ نے عرض کیا ــــ ابا ــــ ضرور فرمائیں ــــ کیا ہے؟

رسولِ محترم نے فرمایا ــــ جبرئیل امین علیہ الصلوٰۃ التسلیم کی سکھائی ہوئی دعا:

اللہ تعالیٰ کی حمد ــــ اس کی تسبیح اور تکبیر ــــ ہر نماز کے بعد دس دس مرتبہ الحمد للہ ــــ سبحان اللہ اللہ اکبر۔

اور ہر ایک ۳۳، ۳۳ مرتبہ سونے سے قبل!

سیّدہ فاطمہ فرماتی ہیں ــــ رسول اکرم تشریف لے گئے ــــ میں نے اور علی نے یوں محسوس کیا۔ جیسے کسی نے زخم پر مرہم رکھ دی ہو اور ایک سکون میسّر آگیا ہو۔

سیّدہ اور ان کے میاں کے درمیان رشتہ ازدواج کی مثالی خوشیاں نہ تھیں ـــــ ایک سبب فقر و افلاس تھا ـــــ دوسرے سیّدنا علی ـــــ سیّدہ کے معاملہ میں کسی قدر درشت مزاج اور شدّت کا برتاؤ بھی کرتے۔ جب کہ سیّدہ کو باپ کے گھر میں ہر طرح کا آرام، محبّت اور پیار میسّر رہا تھا۔

سیّدنا علی کی سیّدہ کے معاملہ میں درشتی بالقصد نہ تھی، وہ طبعی طور پر سخت مزاج اور چڑچڑے واقع ہوئے تھے، ان میں ظاہری طور پر ایک طرح کی شدّت و سختی تھی ـــــ جب کہ قلبی طور پر وہ سیّدہ کو بہت خلوص سے چاہتے اور ان کا دل سیّدہ کی محبّت سے معمُور تھا۔

ہر دو کے درمیان کبھی کبھار اختلافات بھی اُبھر آتے جیسا کہ بالعموم اس رشتہ میں ہوتا ہے۔

مثالاً ـــــ ایک رات حضور ختمی مرتبت تشریف لائے ـــــ آپ کے چہرہ مبارک پر پریشانی اور دُکھ کے آثار تھے ـــــ چند سے بعد واپسی پہ آپ خوش و خرم تھے۔

ایک صحابی نے پوچھا ـــــ آپ صاحبزادی کے گھر دُکھی طور پہ گئے ـــــ خوشی خوشی واپس تشریف لائے ـــــ ماجرا کیا ہے؟ آپ نے مسکراتے ہوئے فرمایا:

"خوش کیوں نہ ہوتا، میں نے دونوں کے درمیان صلح کرا دی ـــــ وہ دونوں میرے دل کے ٹکڑے ہیں"

۸

ہر دو کے درمیان زندگی خاص انداز سے گزر رہی تھی ـــــ فقر تھا، خشونت و سختی تھی ـــــ کبھی کبھار باہمی اختلاف کی نوبت آجاتی ـــــ ویسے سیّدنا علی، سیّدہ سے بے پناہ محبّت کرتے، ان کے مقام و منزلت اور ان کی شانِ رفیع سے خوب آشنا تھے کہ یہ صاحبزادی اپنے ابا کے یہاں کیا مقام رکھتی ہے اور ابا کے حوالہ سے تمام مسلمانوں کے دل اس بچّی کے لیے سراپا خلوص و محبّت ہیں۔

سیّدہ فاطمہ ـــــ بھی جواباً حضرت علی سے خوب محبّت کرتیں، جماعتِ مسلمین میں ان کے مقام و مرتبہ کو پہچانتیں۔ اور یہ بھی سمجھتیں کہ وہ میدان کے کتنے بہادر ہیں ـــــ اور اسلام میں ان کی کیا فضیلت ہے؟ ـــــ

یہ تو میاں بیوی کے درمیان طبعی محبّت تھی ـــــ ویسے بھی سیّدنا علی کی تربیّت کا نشانۂ نبوّت میں ہوئی تھی۔ اور انہوں نے اس متقدّس گھر میں علم و حکمت سے وافر حصّہ پایا تھا ـــــ وہ رسول محترم کے لیے بمنزلہ اولاد کے تھے۔ اور آپ کے چچا کے بیٹے ہونے کے ناطہ بھائی بھی!

سیّدہ تھیں تو انہوں نے اپنی والدہ کی محبّت خاص میں تربیت حاصل کی ـــــ وہاں سے انہیں محبّت، سچا اخلاص اور مروّت و ایثار کی نعمتیں میسّر آئیں ـــــ اس لیے نہ تو فاطمہ کا مقام، شوہر سے مخفی تھا ـــــ بلکہ وہ جانتے تھے کہ اس شاہزادی کی قدر و منزلت مسلّمہ ہے سیّدہ کے دل کی گہرائیوں میں بھی شوہر کے لیے پیار تھا۔

ـــــ ٭ ـــــ

اس تمام تر محبّت و باہمی تعلق کے باوصف ایک مرتبہ سیّدنا علی نے دوسری شادی کا پروگرام بنالیا۔

اس سے ان کا مقصد فاطمہ کو رنج پہنچانا یا ان کی حق تلفی نہ تھی ——— بلکہ اس دور میں دنیائے عرب کا جو مزاج و رواج تھا ——— یہ شادی اس کا تقاضا تھی ——— کہ عرب حضرات کئی کئی شادیاں کرتے۔ پھر یہ بھی ذہن میں تھا کہ دوسری اہلیہ گھر میں فاطمہ کا ہاتھ بٹائیں گی۔ اور باہمی گپ شپ سے ایک طرح تسلّی و تشفّی کا گھر میں ہی سامان ہو جائے گا۔

اس مقصد کے لیے عمرو بن ہشام ——— ابوجہل ——— کی بیٹی کا انتخاب جناب علی نے کیا ——— انہیں ذاتی طور پہ یہ جراءت نہ تھی کہ اس معاملہ میں رسول محترم سے درخواست کر سکیں اور آپ کو مطلع کر سکیں۔ البتہ بنو ہشام کے کچھ لوگ آپ کی خدمت میں آئے اور یہ درخواست پیش کی ——— لیکن رسولِ محترم نے مسجد میں تمام مسلمانوں کو بلایا ——— منبر پہ تشریف فرما ہوئے اور ارشاد فرمایا:

"بنو ہشام نے مجھ سے اجازت مانگی ہے کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح علی سے کر دیں ——— وہ علی جو میری بیٹی فاطمہ کا شوہر ہے۔

واللہ ——— میرے لیے یہ ہرگز پسندیدہ معاملہ نہیں ——— فاطمہ میرے وجود کا ٹکڑا ہے۔ اس کو اذیّت پہنچانا مجھے اذیّت پہنچانا ہے ——— جب کہ اللہ تعالیٰ کا غضب و ناراضی اس کے غضب و ناراضی میں ہے۔"

مسلمانوں نے یکبارگی عرض کیا ——— اللہ تعالیٰ کے رسول ———

آپ نے سچ فرمایا۔

ایک صاحب نے کہا:

"جماعت مسلمین! بلاشبہ عمرو بن ہشام کی بیٹی مسلمان ہے ـــــ لیکن سوال یہ ہے کہ اس کا باپ کون ہے؟

ـــــ وہ ابو جہل تھا، جس نے ہجرت سے قبل اسلام اور نبی مکرم کو بے پناہ تکلیفیں دیں ـــــ اسی کے مشورہ سے ہجرت والی رات قتل کے لیے رسولِ محترم کے گھر کا محاصرہ کیا گیا ـــــ وہی تھا جس نے وزنی پتھر سے کعبہ میں نماز پڑھتے پیغمبر کو قتل کرنا چاہا۔

اسی نے سیّدنا صدیق اکبر کی صاحبزادی ـــــ اسماءؓ ـــــ کو ایسا تھپڑ مارا ـــــ کہ ان کی بالیاں تک نوچ لیں ـــــ یہ اس وقت کی بات ہے، جب ہجرت کی رات گزرنے پر اس نے اسماء سے پوچھا تیرے باپ کہاں ہیں ـــــ تو بچی نے کوئی جواب نہ دیا۔

وہ اس جماعت کا فرد بلکہ سردار تھا جو بدر میں قتل کی گئی ـــــ کافر، مشرک، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا دشمن ـــــ ایک گھر میں اللہ تعالیٰ کے دشمن اور رسول کی بیٹی اکٹھی رہ سکتی ہیں؟۔"

سیّدنا علی کو رسولِ اکرم کی رائے کا علم ہوا تو شدید ندامت کا شکار ہو گئے ـــــ حضرت فاطمہ کے پاس گئے، غایت درجہ محبّت و پیار سے کہا ـــــ فاطمہ! مجھ سے شدید غلطی ہوئی ـــــ رسولِ محترم سے معافی کی سفارش کر دو۔

ہجرت سے تیسرے برس سیّدہ کے پہلے صاحبزادے ـــــ

الحسن ـــ پیدا ہوئے ـــ رسول اکرم کے چہیتے نواسے جن کے لیے فرمایا ـــ کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے، اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی دو جماعتوں میں صلح کرائے گا۔

(سیّدنا علی کی شہادت کے بعد جناب حسن کی حُسنِ تدبیر سے سیّدنا معاویہ اور ان کی صلح ہوگئی۔ جس سے مسلمان باہم شیر و شکر ہوگئے) پانچویں برس ہجرت سے سیّدنا الحسین پیدا ہوئے (گویا سانحہ ارتحالِ نبوی کے وقت ان کی عمر ۵ برس سے کچھ زائد تھی) بعد ازاں دو صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ زینب، ام کلثوم! (سیّدہ نے اپنی بہنوں کے نام سے نام تجویز کئے)

سیّدہ کے پہلے بچے الحسن پیدا ہوئے تو گھر میں خیر و برکت کا نزول ہوا۔ دوسرے صاحبزادے الحسین سے اس میں ترقی ہوئی۔ اب میاں بیوی کے درمیان زندگی میں خوشگواری آگئی، باہمی توافق کا ماحول پیدا ہوگیا تکدّر کی کیفیت ختم ہوگئی۔

سیّدہ کی صاحبزادی ـــ سیّدہ ام کلثوم کا نکاح خلیفہ راشد ثانی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہوا تو جناب زینب کا نکاح سیّدنا جعفر طیّار رضی اللہ تعالیٰ عنہ ـــ برادر سیّدنا علی ـــ کے فرزند سے ـــ یہ محترمہ رشتہ میں سیّدنا..... امیر معاویہ کے فرزند ـــ یزید کی سوتیلی خوش دامن تھیں۔ اور سانحہ کربلا کے بعد اپنی بھتیجی سیّدہ سکینہ بنت الحسین ـــ کے ہمراہ، دمشق میں یزید کے پاس مقیم رہیں ـــ ہر دو کا وہیں انتقال ہوا ـــ رضی اللہ تعالیٰ عنہن۔

جناب حسن، حسین اور ان کی بہنوں زینب و ام کلثوم کی پیدائش سے دختری حوالہ سے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد دنیا میں پھیلی ـــ کہ

سیدّہ خدیجہ سے پیدا ہونے والے فرزند تو بچپن میں انتقال کر گئے تھے۔ ـــــ تاہم سیدّہ زینب اور سیدّہ رقیہ سلام اللہ علیہما ورضوانہ سے بھی حضور اقدس کی اولاد کے واضح تاریخی حوالے اور ثبوت موجود ہیں)

رسولِ محترم نے متعدد شادیاں کیں۔ لیکن سیدّہ خدیجہ کے سوا صرف ایک اہلیہ سیدّہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہجرت کے بعد مدینہ منوّرہ میں ایک بچّہ پیدا ہوا جس کا نام "ابراہیم"، تجویز ہوا، لیکن وہ بھی دودھ پینے کی مدّت میں انتقال کر گیا۔

یہی وجہ ہے کہ حضور نبی مکرّم ـــــ اپنی بیٹی کے بچّوں ـــــ سیدّنا الحسن، اور سیدّنا الحسین ـــــ اسی طرح باقی صاحبزادیوں کے بچّوں کی ولادت سے بے حد مسرور اور خوش تھے اور ان سب کو اپنے حقیقی بچّوں کی طرح چاہتے اور پیار کرتے۔

انہیں گود میں کھلاتے، ان سے پیار کرنے اور ایسی محبّت کچھا وہ فرماتے کہ باید وشاید؟ حتیٰ کہ اگر کوئی مسجد میں آجاتا اور آپ سجدہ میں ہوتے اور وہ پیٹھ پر سوار ہو جاتا تو آپ سجدہ لمبا فرما دیتے ـــــ حرکت نہ فرماتے مبادا بچّہ گر جائے اور اسے جو خوشی ومسرّت حاصل ہے۔ اس سے وہ محروم ہو جائے۔

○

ااھ کے ابتدائی ایّام میں (صفر الخیر کے مہینہ میں) رسولِ محترم کو مرض الموت لاحق ہوا ـــــ یہ آخری بیماری تھی۔

مرض بڑھا تو آپ نے اس وقت زندہ موجود اکلوتی بیٹی فاطمہ کو بلایا پیار کیا۔ پھر دوبارہ انکے کان میں کچھ کہا ـــــ پہلی مرتبہ وہ رو دیں ـــــ دوسری مرتبہ ہنس دیں۔

سیّدہ عائشہ صدیقہ نے بیٹی سے پوچھا تو سعادت مند بیٹی نے بتلایا کہ:

"ایک ہی وقت میں رونے اور ہنسنے کا سبب یہ تھا کہ پہلی بار ابا جان نے کان میں فرمایا ـــــ بیٹی میرا چل چلاؤ ہے۔ رب قدیر و رحیم سے ملاقات کا وقت سر پہ ہے۔ اس پر میں رو دی ـــــ دوسری مرتبہ فرمایا، میرے بعد تم بس مہینوں میں مجھ سے آملو گی۔ اس پر میں مسکرا دی"

رسولِ محترم کا سر مبارک سیّدہ عائشہ کی گود میں تھا ـــــ (سیّدہ فاطمہ کے مصنف نے لکھا ہے ـــــ یہ صحیح نہیں) کہ آپ کی روح مبارک خالقِ ارض و سما کے حضور پہنچ گئی ـــــ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

سیّدہ کو والد بزرگوار کے سانحہ ارتحال سے جو رنج پہنچا وہ ظاہر و باہر ہے ـــــ بابا کے سانحۂ ارتحال کے بعد انہیں کسی نے مسکراتے نہیں دیکھا ـــــ رسولِ محترم کی وفات کے بعد مسلمانوں نے باہم مل کر سیّدنا ابوبکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنا سربراہ اور جانشینِ رسول تجویز کر لیا۔

مدینہ منوّرہ سے دو دن کے سفری فاصلہ پر "فدک" نامی گاؤں تھا، بستی والوں نے اپنی سالانہ پیداوار کا نصف حصّہ رسولِ محترم کے لیے ہبہ کر دیا ـــــ پیداوار برائے نام کھجور اور جَو تھے اور بس۔

سیّدِ دوعالم کی وفات کے بعد سیّدہ فاطمہ جانشینِ رسول کے پاس گئیں ـــــ رشتہ میں وہ نانا بھی تھے۔ اور اپنے ابا کی میراث مانگی ـــــ سیّدنا صدیق نے کہا:

"بیٹی! رسول کی کوئی میراث نہیں ـــــ میں نے خود آپ

کی زبان سے سُنا — فرماتے ہم نبیوں کی کوئی میراث نہیں،
جو ہم چھوڑیں وہ صدقہ ہے — جملہ مسلمانوں کا حق !"
فاطمہ رنجیدگی کے عالم میں گھر چلی گئیں — سیّدنا صدیق اکبر اس
رنجیدگی کے متحمل نہ تھے، رشتہ نازک تھا۔ لیکن دینی تقاضا اپنی جگہ —
بہرحال انہوں نے یہ قصہ سیّدنا عمر کو بتلایا — وہ بھی سیّدہ کے نانا
ہی تھے۔ اسی دن شام کو ہر دو حضرات — ابوبکر و عمر — سیّدہ
کے گھر تشریف لے گئے اور پوچھا — جناب صدیق نے بیٹی — آپ
ناراض ہیں ؟

واللہ — رسولِ محترم اور ان کے اعزّہ میرے لیے
میرے اعزّہ سے عزیز ہیں۔ اور رہ گیا تمہارا معاملہ —
تو تم تو میرے لیے میری بیٹی عائشہ سے بڑھ کر عزیز ہو۔
میری مسرت تھی کہ تمہارے ابا کے ساتھ میرا بھی جنازہ اُٹھتا، کہ ان کے
بعد زندگی کی مطلق خواہش نہیں۔ میں تمہاری فضیلت، تمہارے مقام و
مرتبہ اور تمہارے شرف و مجد سے خوب واقف ہوں — اگر رسولِ
محترم کا یہ ارشاد نہ ہوتا کہ :

"ہم نبیوں کی کوئی میراث نہیں — جو ہم چھوڑیں وہ
صدقہ ہے" تو میں یقیناً تمہارا حق دے دیتا۔

تم چاہتی ہو کہ نبی محترم کے حکم کی مخالفت کر کے ان کا غضب
مول لے لوں ؟

سیّدہ نے ہر دو حضرات کو جواباً کہا :

"آپ نے میرے بابا کا یہ قول نہیں سُنا کہ جس نے
فاطمہ کو ناراض کیا اس نے مجھے ناراض کیا — اور یہ کہ
اللہ تعالےٰ کی ناراضی و رضامندی میری رضا و ناراضی کے ساتھ

ہے؟"

ہر دو حضرات نے فرمایا ــــ اس میں شک نہیں کہ آپ رسولِ محترم کی بیٹی ہیں ــــ لیکن ادھر رسولِ مکرم کا حکم ہے۔ جناب فاطمہ نے جذباتی انداز میں کہا ــــ کہ آپ نے میری ناراضی کا سامان کیا ــــ ابا سے ملی تو شکایت کروں گی۔ اس کے بعد ہر دو حضرات تشریف لے گئے۔ ان پر گریہ طاری تھا ــــ سیّدنا صدیق مسجد میں گئے ــــ مسلمانوں سے فرمایا:

"مجھ سے خلافت واپس لے لو ــــ مجھے معزول کر دو، بنتِ رسول کی ناراضی کا مجھ میں یارا نہیں"

لیکن سیّدنا صدیق کا موقف مبنی بر حقیقت تھا۔ اور غمزدہ سیدہ شدّتِ جذبات کا شکار تھیں۔ اس لیے ایسا نہ ہو سکا کہ عزیز داری اور تعلق داری میں قانون وضوابط توڑے جاتے۔

⑩

سیّدہ بابا کی وفات کے بعد مسلسل غم کا شکار تھیں ــــ ان کی مسکراہٹ ختم ہو گئی ــــ فرماتی ہیں:

"ابا کی وفات کے چند دن بعد ــــ ایک رات میں بہت روئی ــــ پھر نماز پڑھی اور سو گئی۔ خواب میں فرشتے نظر آئے۔ گویا مجھے آسمان کی طرف اڑا کر لے جا رہے ہیں حتی کہ ایک عجیب و غریب جگہ پہنچ گئی ــــ رنگا رنگ محلّات حوریں اور غلمان ــــ میں نے کہا ــــ یہ مکان کس کے ہیں؟"

انہوں نے بتلایا:

"تیرے ابا ۔۔۔ دوسرے انبیاء اور صدّیقین کے!"
میں نے دیکھا بابا ۔۔۔ نور کے تخت پر براجمان ہیں ۔۔۔ مجھے پہلو میں بٹھا لیا ۔۔۔ سر چوما اور فرمایا:
"اس سفید محل کو دیکھو ۔۔۔ کشادہ باغ بھی ہیں۔
میں نے دیکھ کر پوچھا بابا! یہ کس کے ہیں؟ فرمایا ۔۔۔ تمہارے تمہارے میاں اور بچوں کے!"
میں جاگ اٹھی ۔۔۔ بس اب تو پیارے بابا کی ملاقات کی خواہش مجھ پہ سوار تھی۔

○

۱۱ھ کا رمضان تھا ۔۔۔ ۳ تاریخ ۔۔۔ سیّدہ جاگیں تو ان کے چہرے پر بشارت و رضا کی علامات تھیں ۔۔۔ گویا بہت خوش ہیں ۔۔۔ اسی دن عصر کو سیّدہ نے "سلمیٰ بنت عمیس" کو بلایا ۔۔۔ یہ خاتون کی خدمت گزار تھیں، بہت لحاظ فرماتیں ۔۔۔ ان سے کہا:
"ذرا میرے لیے پانی کا اہتمام کر دو" ۔۔۔ ہو گیا تو غسل کیا، خوشبو لگائی۔
پھر ان سے کہا:
"میرا نیا جوڑا لاؤ" ۔۔۔ وہ پہنا، دو رکعت نماز ادا کی ۔۔۔ اور فرمایا سلمیٰ ۔۔۔ گھر کے صحن میں میری چارپائی ڈال دو ۔۔۔ فاطمہ اس پہ لیٹ گئیں ۔۔۔ چہرہ آسمانوں کی طرف ۔۔۔ گویا گڑا ہوا۔
پھر سلمیٰ سے کہا ۔۔۔ علی ۔۔۔ میرے شوہر کہاں ہیں؟ ۔۔۔

وہ آئے ـــــ سیّدہ کو اس طرح لیٹے دیکھا تو فرمایا۔
کیا ہے، خیر تو ہے؟
فاطمہ نے فرمایا ـــــ آج بابا سے ملاقات کا وعدہ ہے۔
علی پر گریہ طاری تھا ـــــ فاطمہ مسکرا رہی تھیں۔
فرمانے لگیں:
علی! رونا تو ٹھیک نہیں ـــــ یہ تو پیارا کرنے والوں کا وعدہ ہے۔"
خوشی اور مسرّت کی گھڑی ہے ـــــ روئیں نہیں، تین باتیں ضروری ہیں ـــــ سن لیں۔

۱۔ بچّوں بالخصوص حسن و حسین کے لیے خاص وصیّت ہے کہ ان کا خیال رہے، رسولِ محترم نے انہیں جنّتی جوان قرار دیا۔

۲۔ میرے بعد میری بڑی اور محبوب بہن سیّدہ زینب کی صاحبزادی امامہ بنت العاص بن الربیع رضی اللہ تعالےٰ عنہا سے نکاح کر لینا۔

۳۔ رات میں مجھے دفن کر دینا ـــــ جنازہ اور حاضری کا اہتمام نہ ہو۔

پھر لمحہ بھر کو آسمان کی طرف دیکھا ـــــ آنکھیں بند کر لیں، اور اپنی روح اپنے خالقِ عظیم کے سپرد کر دی۔

فرضی اللہ تعالیٰ عنہا وعنہم اجمعین

خبرِ وفات تیزی سے مدینہ میں پھیل گئی ـــــ چاروں طرف آہ و بکا کی کیفیت تھی۔

وفات کے وقت سیّدہ کی عمر ۲۸ برس تھی ـــــ بعد میں آپ کی نسل آپ کے فرزندوں سیّدنا الحسن، سیّدنا الحسین اور

بیٹی سیّدہ زینب سے دنیا میں پھیلی!
رضوان اللہ تعالیٰ علیہم و علیہن اجمعین

اللھم تقبل منا انک انت السمیع العلیم
واغفرلنا ولوالدینا و لجمیع الاقرباء والاحباء
بحرمۃ النبی الکریم۔ محمد الامین خاتم النبیین
معصومین۔ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ وازواجہ
وبناتہ واصحابہ واتباعہ اجمعین۔.....

تمّت

عربی سے اردو

ترجمہ: از مولانا سعید الرحمٰن علوی

○ ابوالبشر: الشیخ شہاب الدین الندوی

○ پیغمبرِ انسانیت شیخ الصابونی و شیخ ابوبکر الجزائری وغیرہ

○ مالکِ کائنات کی یکتائی: شیخ محمد قطب

○ اہلِ بیت: فائد العمروسی

○ خلفائے راشدین (حسنِ کردار و عمل)

الشیخ خالد البیطار

○ یارانِ رسولؐ: عبد الرحمان رافت الباشا

○ شہدائے اسلام: ڈاکٹر علی سامی النشار

○ اسلام اور اخلاق: ڈاکٹر عبداللطیف

محمد السید عبدالمحسن

○ قرآنی واقعات میں سامانِ عبرت و بصیرت

محمد قطب عبد الغالی

○ اگلی دنیا: امام ابوبکر بن ابی داؤد

○ عورت (جاہلیت اور اسلام میں)

استاد سعد صادق محمد

○ تربیت (اسلام کے نقطۂ نظر سے)

ڈاکٹر ماجد، امام ابوبکر، حسن ملا عثمان

پیش کش: بساطِ ادب، ادبی مارکیٹ لاہور